ماہنامہ
قلندر شعور
اپریل ۲۰۲۰ء
سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں ملتا
معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز
مٹّی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پُرزے تو یہی ذرّے ہیں
البتہ کہ صنّاع ہے اِس کا دم ساز
تخلیق کا راز
مٹی
[کُل رنگ روشنی]

GWADAR GOLF CITY

ELEGANCE BEYOND IMAGINATION

A PROJECT OF BSM DEVELOPERS

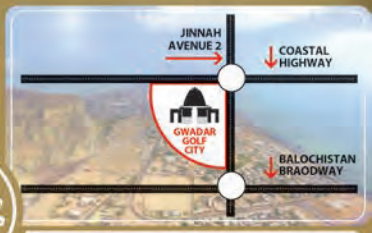

JOTANA PMS

Site office Bahria Town Karachi
14 B Side,
Midway Commercial, Bahria Town
Super Highway
+92 213-529-7298

DHA office, Karachi
Shop 1, Plot 58-C,
25th Street,Touheed
Commercial, DHA Phase 5
+92 213-529-7299

A Joint Venture of
JOTANA
PMS
PROPERTY MANAGEMENT SERVICES

care@jotanapms.com | www.jotanapms.com

S.A. Fabrics.

Men's Suiting Fabric

Cell: +92-300-6657195
Cell: +92-324-7614581

E-mail: s.a.fabrics@hotmail.com
Facebook: Shahzadaleemfabrics

Shop # 36-37, Madina Center,
Factory Area, Faisalabad-Pakistan

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

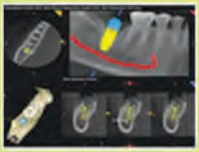

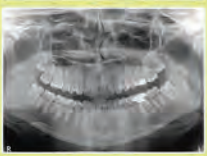

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-7180348 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

lavishdinerestaurant

Lavish Dine
Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

جلد 8 شمارہ 3 | اپریل 2020ء | شعبان ــ رمضان 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور

کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاؒ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے.....سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر 4-C سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۵ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ـــــــ اسماعیؔل میرٹھی 10

نعت رسول مقبول ﷺ ـــــــ عابد نظاؔمی 11

رباعیات ـــــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12

آج کی بات ـــــــ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ـــــــ ادارہ 18

نامے میرے نام ـــــــ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 21

ہیروشیما کا پہاڑ ـــــــ ادارہ 25

خوش بو کی شاعرہ ـــــــ (M.Sc-Zoology) زاہدہ تبسم 31

جنوری 2020ء کے سرورق کی تشریح ـــــــ قارئین 36

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل ـــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

میں جاگ گیا ہوں ـــ تم سو رہے ہو ـــــــ نادیہ افتخار حسین 45

دانائی ـــــــ نفیسہ شاکر 51

حساب جوں کا توں ـــــــ حماد علی شاہ 57

سونے کا ہار ـــ ؟ ـــــــ احمد مجتبیٰ 63

خاموش آوازیں ـــــــ (برطانیہ) صوفیہ رفعت 67

میں نے کہا کہ بھائیو موقع تو دیکھیے ـــــــ عابد محمود 75

سوئی اور مشین ____ بلال حسن 81

باادب ــ بانصیب ____ شازیہ رشید 87

گڑانبہ ____ عرفان بیگ 93

اقتباسات ____ قارئین 99

جسے دل کہتے ہیں ____ (یواے ای) بی بی انورادھا 101

پورب کے ہم زاد ____ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 109

یک رنگی = لیزر بیم ____ نادرہ مبین 115

اللہ میاں کے باغ کے پھول ــــ

اولی الالباب بچے ____ ادارہ 119

ہنسا منع ہے ــ پڑھیے ____ نیّر اعظم 121

میں ہوں گدھا ــ تو ہے گدھا ____ (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 126

دوست ــ جراثیم ____ (M.Sc-Microbiology) شبانہ عرشی 129

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ____ عظیمی خواجہ شمس الدین 135

Reality and Materialism ____ Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) 145

Glory Belongs to God ____ Roshan Sitara 148

A Spectrum of Healing ____ Azhar Hussain 152

Can an Arif be Unhappy? ____ Qurat-ul-Ain 159

Circle of Life ____ Bibi Anuradha (UAE) 163

Prophet Muhammad (PBUH) ____ Extracted 167

Message of the Day ____ K. S. Azeemi 172

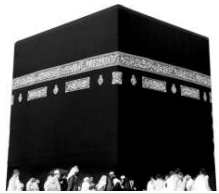

اسماعیل میرٹھی

حمد باری تعالیٰ

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا

پاؤں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی
اور سر پہ لاجوردی ایک سائباں بنایا

مٹی سے بیل بوٹے کیا خوش نما اگائے
پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا

خوش رنگ اور خوش بو گل پھول ہیں کھلائے
اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے
چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا

رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر
ان نعمتوں کا مجھ کو ہے قدرداں بنایا

آب رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا

عابد نظامی

نعت رسول مقبول ﷺ

گھرے ہیں دشتِ مصائب میں کوئی راہ ملے
غموں کی دھوپ میں سرکارؐ کی پناہ ملے

کوئی طلب ہے مجھے زیست میں تو اتنی ہے
نبیؐ کی چاہ ملے اور بے پناہ ملے

انہی کے نور کا پرتو ہے شہرِ طیبہ پر
کہ اس زمین کے ذرّوں میں مہر و ماہ ملے

خدا ہی جانے کہ آقاؐ کی شان کیا ہوگی
کہ ان کے در کے گدا بھی جہاں پناہ ملے

کسی بھی راہ نے منزل سے آشنا نہ کیا
خوشا نصیب جو طیبہ کی شاہراہ ملے

میں بے نوا اسی دربار کا ثنا خواں ہوں
جہاں غلاموں کو شاہوں کا عز و جاہ ملے

گھرے ہیں دشتِ مصائب میں کوئی راہ ملے
غموں کی دھوپ میں سرکارؐ کی پناہ ملے

ڈائی میں رنگ رنگ صورتیں

معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز
مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پرزے تو یہی ذرّے ہیں
البتہ کہ صنّاع ہے اس کا دم ساز

''ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے، تمہارے لئے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔'' (الحجر: ۱۹۔۲۰)

اے آدم! کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری زندگی کے اندر کون سے فارمولے کام کر رہے ہیں؟ دنیا میں ہر چیز کی ساخت مٹی سے عمل میں آئی ہے۔ شہباز کی قوتِ پرواز بھی اسی مٹی کی ممنونِ کرم ہے کیوں کہ جسمانی اعضا اسی مٹی (کل رنگ روشنی) کے مختلف فارمولوں سے وجود میں آئے ہیں۔ البتہ تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹی کے اندر خالقِ کائنات کا امر متحرک ہے جو مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف رنگوں اور شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ کنکر، پتھر، پودے، مختلف قسم کے جانور اور انسان دراصل مختلف سانچے (die) ہیں۔ ہر مخلوق آنکھ ناک کان رکھتی ہے لیکن ڈائی کی بنیاد پر یہ ایک ہونے کے باوجود مختلف نظر آتی ہے۔

ڈائی میں مٹیریل ڈالنے سے نئی نئی شکلیں وجود میں آتی ہیں۔ کوئی بھی وجود ڈائی کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ علمِ لدنّی کے وارث اولیاء اللہ ڈائی بنانے کے فارمولوں سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت واقف ہیں۔ گڑیا کی ڈائی میں پلاسٹک ڈالا جائے یا اونٹ کی ڈائی میں کوئی دھات پگھلا کر ڈال دی جائے تو ڈائی کھلنے کے بعد تصویر ظاہر ہوتی ہے۔ اگر رحم مادر کو مثالی طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو رحم دراصل ڈائی کے قائم مقام ہے۔ رنگ رنگ نقش ونگار، رنگ رنگ صورتیں، روپہلی کرنوں سے بنے ہوئے جسم، سیاہ رنگ اور مور جیسی شکلیں وجود میں آتی ہیں۔ مور کے پروں میں نقش ونگار خالقِ کائنات کی ایسی صنعت ہے جس میں رنگ خود اپنا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہی تو ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔'' (آل عمران:۶)

جب ہم کائنات کے اجزائے ترکیبی، زمینی مخلوق، آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے، اشجار (درخت)، پھل، پھول کو دیکھتے ہیں تو شماریات سے زیادہ رنگین دنیائیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ قرآن کریم تخلیقی فارمولوں کی دستاویز ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور یہ جو زمین میں رنگ برنگ چیزیں اس نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، ان میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔'' (النحل:۱۳)

آج کی بات

شماریات سے زیادہ دنیاؤں کا نظام اطلاع پر قائم ہے۔ اطلاع ایک ہے، عمل کرنے کے راستے دو ہیں۔ ایک راستہ مفید اور دوسرا غیر مفید ہے۔ مفید رخ سے زمین و آسمان میں تخلیقات کی خدمت ہوتی ہے اور غیر مفید رخ سے نظامِ حیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسا نقصان جس کے نتیجے میں ذہنی پسماندگی، الوژن اور فریب نظر طرزِ فکر بن جاتی ہے۔ اس راہ میں رنگ خوش نما لیکن دل فریب ہیں ــــ بظاہر مسرت و شادمانی کا پیغام لیکن بباطن اضطراب ہے۔

زندگی سفر کر رہی ہے۔ شک کی وجہ سے متضاد رخ اختیار کر کے فرد راستے کو دو میں تقسیم کر دیتا ہے۔ زندگی کی بیلٹ اپنی فطرت میں پُرسکون شاہراہ ہے جس پر بلا چون و چرا چلنے والے شادمان و کامران ہیں کیوں کہ فطری رخ اختیار کر کے وہ جان لیتے ہیں کہ بیلٹ حرکت کے تابع ہے۔ فطرت کے متضاد رخ پر چلنے والوں کا سفر تیاریِ سامانِ غم ہے۔

دریا کنارے استاد اور شاگرد بہتے ہوئے پانی کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

استاد کا ذہن خاموش جب کہ شاگرد کا ذہن بہتی ہوئی موجوں کا عکس تھا۔

شاگرد نے کہا، پانی حرکت کی وجہ سے آگے بڑھ رہا ہے۔

استاد نے فرمایا، تم ٹھیک سمجھے ہو۔

شاگرد بولا، حرکت عمل ہے اور پانی کا آگے بڑھنا ردِّعمل ہے۔

استاد نے نفی میں سر ہلایا اور نظر دریا کی موجوں پر مرکوز کر دی۔

شاگرد نے نظروں کا تعاقب کیا اور استاد کے ذہن سے پانی دیکھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ توقف کے بعد پوچھا، اگر موجوں کا بہنا ردِّعمل نہیں ہے پھر کیا ہے؟

جسے تم ردِّعمل سمجھ رہے ہو، وہ حرکت کے مطابق پانی کا عمل ہے۔ دریا کنارے بیٹھے استاد کے لہجے میں سمندر کی سی گہرائی تھی۔

شاگرد نے بے تابی سے پوچھا، پھر ردِّعمل کیا ہے ــــ؟

استاد نے کہا، ردِّعمل یہ ہے کہ پانی حرکت کی مخالف سمت میں بہے۔

قابلِ احترام بزرگو اور عزیز دوستو! ہر عمل کا ردِّ ــــ عمل نہیں ہوتا۔ لاکھوں میں چند خواتین وحضرات ایسے بھی ہیں جو حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے افراد دریا کی موج بن جاتے ہیں جو بہاؤ کے ساتھ بہتی ہے۔

• • ——————— • •

اللہ کی عادت اور اللہ کے نظام کی بنیاد یہ ہے کہ اس میں ردّوبدل اور تعطل نہیں ہے۔

خالقِ ارض وسماوات اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''پس یکسو ہوکر اپنا رخ اس دین کی سمت میں مرکوز کردو، قائم ہوجاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی۔ یہی راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الروم: ۳۰)

فطرت سے مراد لہروں میں حرکت کی رفتار اور طوالت کا مخصوص تناسب ہے۔ لہر (حرکت) میں طوالت سے اسپیس تخلیق ہوتی ہے۔ ہر اسپیس کی رفتار منفرد ہے اور یہ انفرادیت تخلیقات کی پہچان ہے۔

یکسو ہوکر دوبارہ پڑھئے ــــ حرکت کی لاشمار طوالتوں سے لاشمار تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ ان کا عددی مجموعہ (مقداریں) ہر نوع اور فرد کے لئے الگ الگ ہے۔ اگر ایک مخلوق سبز رنگ کی تین مقداروں سے بنی ہے تو اس فارمولے سے دوسری مخلوق وجود میں نہیں آتی۔ اللہ نے تخلیقی فارمولے متعین کردیئے ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہے۔ اس کو اللہ نے فرمایا ہے کہ قائم ہوجاؤ اس فطرت پر جو تمہارے لئے متعین ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی۔

آدمی جب فطرت کے خلاف عمل کرتا ہے یا زندگی کی بیلٹ پر متضاد رخ میں چلتا ہے تو دراصل وہ فطری ساخت بدلنے کی کوشش کرتا ہے جس کا اسے لامحالہ نقصان پہنچتا ہے۔

فطرت کے مطابق زندگی گزارنا ''عمل'' ہے اور اس کے برخلاف چلنا ردِّ عمل ہے۔ نظامِ کائنات میں آدمی کے سوا ہر تخلیق فطرت سے ہم آہنگ ہے، سب کی فہم اپنی ساخت کے مطابق ہے جس پر ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ فطرت کا تعلق لاشعور سے ہے لہٰذا فطرت سے ہم آہنگ مخلوقات کی رفتار اپنے اپنے دائرے میں لامحدود ہے۔ لامحدودیت تخلیقات کا ذاتی وصف نہیں بلکہ اس فطرت سے ہم آہنگی ہے جو اللہ نے بنائی ہے۔

''پس تم اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ کی سنت میں تعطل نہ پاؤ گے۔'' (فاطر: ۴۳)

• • ——————— • •

فطرت، جبلت اور طبیعت الگ الگ یونٹ ہیں۔ جبلت میں آدمی بااختیار ہے۔ بھوک فطری تقاضا ہے مگر کھانا کھانے کی مقدار عادت اور خاندانی طرزِ فکر پر منحصر ہے۔ ایک آدمی بسیار خور ہے اور دوسرا بھوک رکھ کر کھاتا ہے۔ بھوک کا تقاضا دونوں کی فطرت میں ہے لیکن تقاضے پر عادت کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اور عادت طبیعت بن جاتی ہے۔

طبیعت میں فرد کے پاس انتخاب ہے۔ فطرت بتاتی ہے کہ نشہ صحیح نہیں، پھیپھڑے خراب ہوتے ہیں لیکن فرد مضرِ صحت عمل ترک نہیں کرتا کیوں کہ نشے کی عادت (جبلت) طبیعت بن گئی ہے۔ جبلت میں ہمارا دوسری نوعوں کے ساتھ ذہنی اشتراک ہے جب کہ فطرت میں سب کا اپنا مقام ہے جو خالق کائنات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تخلیقی فارمولوں کے مطابق ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

نوعِ آدم کی فطرت ''احسنِ تقویم'' ہے۔ فطری لحاظ سے آدم کی تخلیق میں اہم عنصر فارمولوں کا علم ہے۔ جب نوعِ آدم ''احسنِ تقویم'' کے منصب سے واقف نہیں ہوتی تو اس کی ساخت ''اسفل سافلین'' بن جاتی ہے۔ یعنی جتنی مخلوقات ہیں، ان میں سب سے کم ذہنی رفتار

آدمی کی ہے اس لئے وہ ٹائم اور اسپیس کے کم ترین درجے میں قید ہے جہاں پریشانی اور غم تعاقب میں ہے ــــ پسماندگی، بدحالی، شکوک وشبہات، ڈر، خوف اور امید و مایوسی رقص کناں نظر آتی ہے جب کہ یہ سب نظر کا دھوکا ہے۔

زندگی میں پیش آنے والے نشیب وفراز پر غیر جانب داری سے غور وفکر ایسی کوشش ہے جو خالقِ کائنات کے لئے پسندیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں، میں ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔'' (العنکبوت:۶۹)

جو لوگ خالصتاً اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرتے ہیں، جدوجہد کرتے ہیں، تفکر اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ متوجہ رہتے ہیں، اللہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ایسے بندوں کے لئے ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ ہدایت کے معنی ریسرچ اور ذہنی وابستگی کے ساتھ غور وفکر کرنا ہے۔ یہ لوگ اولی الالباب ہیں اور ہر کام کیئر آف اللہ کرتے ہیں۔

خلاصہ: زندگی گزارنے کا ایک طریقہ عمل اور دوسرا ردِّعمل ہے۔

۱۔ عمل میں سکون، راحت، دل جمعی، یقین، مستقل مزاجی اور ذہنی تفکر کے ثمرات ہیں۔

۲۔ ردِّعمل میں بے سکونی، تکلیف، اضطراب، بے یقینی، غیر مستقل مزاجی اور جمود پیدا کرنے کے لئے ببول کے کانٹے ہیں۔

جب نوعِ آدم کی فطرت (احسن تقویم) اس کی طبیعت بن جائے تو ایسے خواتین و حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ''راسخ فی العلم'' فرمایا ہے۔

''جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔'' (اٰل عمرٰن: ۷)

★ محترم قارئین! ''آج کی بات'' پڑھ کر ذہن میں سوالات ابھریں گے۔ اس سلسلے میں ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کی خدمات حاضر ہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

محترم ومکرم عظیمی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

تحقیق وتلاش نے فاصلے کو کسی حد تک تسخیر کیا ہے، ایک کے بعد ایک تیز رفتار ایجاد وجود میں آرہی ہے۔ مگر اس کے باوجود موجودہ تحقیق حقیقت سے دور ہے۔ بیش تر دعوے نظریات کی حد تک ہیں، وہ ان کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنا سکے۔ کیا وجہ ہے کہ تفکر کے باوجود محقق اس مقام پر نہیں پہنچا، جہاں اسے ہونا چاہئے۔

نیازمند ـــ ماجد

برخوردار ماجد، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

دنیا جس دور سے گزر رہی ہے وہ تحقیق وتلاش (science) کا دور ہے۔ یہاں ہر بات کو حجت اور دلیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر دلائل کے بغیر کوئی بات کہی جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ خط کے جواب میں کوشش کی ہے کہ جو بات تحریر کی جائے موجودہ دور کی طرز کے مطابق دلائل اور حقائق پر مبنی ہو۔

زمین وآسمان کے فاصلے ناپنے، چاند سورج کی گردش معلوم کرنے اور چاند کو مسخر کرنے کے خواب دیکھنے والی قوم ایک عرصے سے اس کوشش میں ہے کہ زمین کے اوپر اور زیر زمین پھیلے ہوئے وسائل کو زیادہ سے زیادہ استعمال کے قابل بنا دیا جائے۔ بڑے بڑے جہاز، آواز سے تیز رفتار طیارے، دیو ہیکل مشینیں، ریڈیو، ٹیلیویژن، ایٹم اور ہائیڈروجن بم، خلائی سیارے اور اسپیس شپ وغیرہ یہ سب ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

جہاں تک وسائل اور ان کی صلاحیت کے علم کا انکشاف ہوا ہے، وسائل کے پھیلاؤ اور وسائل کی زندگی یا

حرکت میں کس حقیقی فارمولے کا عمل دخل ہے اور اس فارمولے کے پیچھے کون سی طاقت کام کر رہی ہے اور اس طاقت سے کام لینے والی ہستی کون ہے، اس سلسلے میں سائنس خاموش ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مادی دور کی اس ترقی میں براہ راست قدرت کی پیدا کردہ اشیا کا دخل ہے۔

مثلاً لوہا ہماری ہر ترقی میں داخل ہے۔ آپ کس جگہ اسے نہ پائیں گے ــــ؟

ریل میں، ریل کی پٹری میں، جہازوں میں، مشینوں کے کَل پرزوں میں، وائرلیس اور خلائی سیاروں میں، اونچی اونچی عمارتوں، سائنس کی بے شمار مصنوعات میں، مساجد، مندروں اور گرجاؤں میں، کون سی ایسی جگہ ہے جہاں لوہے کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے ــــ؟

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے لوہے کو بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اس میں انسانی دنیا کی ترقی کے لئے بڑے امکانات ہیں۔

''اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔'' (الحدید: ۲۵)

ہماری ذہنی کاوش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ ہم لوہے یا لوہے کی قسم کی دوسری دھاتوں اور ارض پر موجود وسائل سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ذہن کو جس طرح حرکت دی جاتی رہی، ہمارے سامنے فوائد یا نقصان آتے رہے اور ہم نئی سے نئی اختراع کرنے پر قادر ہو گئے ــــ مگر آدمی نے اس تلاش میں ہمیشہ کوتاہی برتی کہ جس ہستی نے وسائل میں شماریات سے زیادہ صلاحیتیں ذخیرہ کی ہیں وہ کون ہے اور ان وسائل کی پیدائش سے اس ہستی کا منشا اور مقصد کیا ہے۔ ہم نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ان چیزوں کو کارآمد بنانے کی صلاحیتیں ہمارے ذہن میں کس طرح اور کہاں سے آتی ہیں۔ ذہن اور وسائل کی صلاحیتوں کا اشتراک کن خطوط پر قائم ہے۔

ایک طرف لوہا ہے، دوسری طرف انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں واضح ہے کہ لوہے کو بے شمار فوائد کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے تاکہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔

اللہ انسان کی صلاحیت کا تذکرہ فرما کر یہ بتا رہے ہیں کہ انسان قدرت کی ودیعت کردہ صلاحیتوں اور قوتوں کو کام میں لانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہو سکتا ہے۔

آیت میں تفکر کے بعد یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ موجودات میں ہر شے اپنے اندر دو وصف رکھتی ہے۔

★ ایک وصف ظاہری ہے۔

★ دوسرا وصف باطنی ہے۔

مثلاً پانی ظاہری طور پر رقیق اور سیال مادے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی باطنی قوت یا وصف اسٹیم (بھاپ) ہے جو بڑی سے بڑی مشین کو معمولی جھٹکے کے ساتھ حرکت میں لے آتی ہے۔

چھوٹے سے بیج کے اندر بڑے درخت کا مظاہرہ ہے۔ کوئی بھی پھل اور اس کے اندر خوش بو اور ذائقہ۔ کائنات میں کوئی وجود اس وصف سے خالی نہیں اور ہر موجود شے دو اوصاف سے مرکب ہے۔ کوئی شخص جب ذہنی فکر اور کوششوں سے کسی نئی چیز کو عالم وجود میں لاتا ہے تو اس کی پہلی اور آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ چیز اس کے تعارف کا سبب بن جائے۔

رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔''

اللہ کے اس فرمان کے تحت ہر چیز کو وجود میں لانے والی ہستی کا منشا اور مقصد یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر مصنوعات ہیں وہ اللہ کی صفات کا تعارف ہے۔ رسالتؐ کا اقرار اور تعلیم ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ انسان اگر اپنے باطنی وصف کے علم کو حاصل کر لے تو وہ موجودات کو وجود میں لانے والی ہستی کو پہچان سکتا ہے۔ جب تک انسان اس مقصد کو پورا نہ کر دے بے شک وہ خسارے اور نقصان میں ہے۔

''قسم ہے زمانے کی۔ بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔'' (العصر: ۱۔۳)

دعا گو، عظیمی (17 اکتوبر 1986ء)

کلام: رحمان باباؒ

ہستی کے سفر میں کوئی خفتہ کوئی بیدار

ملتے ہیں کبھی یار کبھی ملتے ہیں اغیار — دنیا ہے عجب چیز کبھی پھول کبھی خار
اک فکر ہے اک ذکر ہے دونوں ہیں ترے ساتھ — یہ عقل محض غم ہے مگر عشق ہے غم خوار
دنیا کبھی پت جھڑ ہے کبھی موسمِ گل ہے — عاشق سے بچھڑ جائے کبھی آ کے ملے یار
ہے منکر و معروف کے دوراہے پہ راہی — پہچان کے چل دونوں میں اک نور ہے اک نار
جاہل کا یہاں جہل ہے عاقل کا تعلم — ہستی کے سفر میں کوئی خفتہ کوئی بیدار

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

★ فروری 2020ء کے ''آج کی بات'' پر موصول شدہ تفکر میں سے منتخب خطوط:

ماریہ طارق (ٹیکساس): قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو آئینے نے بتایا کہ میں بھی تصویر ہوں اور تم بھی تصویر ہو۔ تم میری تصویر ہو، میں تمہاری تصویر ہوں۔ جب تم نہیں ہوتیں، آئینے میں تصویر نہیں بنتی۔ جب میں نہیں ہوتا تمہیں اپنی خبر نہیں ہوتی۔ جب ہم دونوں تصویر ہیں پھر یہ کس کا احساس ہے جو میرے اور تمہارے اندر کام کرتا ہے اور ہمیں اپنے ہونے اور نہ ہونے کا احساس دلاتا ہے ــــ؟

ترتیل (لاہور): جب قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو بہت عجیب لگا۔ پہلے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا۔ کچھ لمحوں کے لئے حیران رہ گئی کہ یہ کون ہے۔ اپنے آپ سے انسیت کے بجائے اجنبیت محسوس ہوئی کیوں کہ آج فہم میں یہ بات تھی کہ میں آئینے کے دیکھنے کو دیکھ رہی ہوں۔ محسوس ہوا جیسے یہ تصویر اس ماحول کا حصہ نہیں۔ ایک دم کہیں سے آئی ہے اور ابھی واپس چلی جائے گی جیسے کسی اور دنیا کی مخلوق ہو۔

ملک عمران (کراچی): آئینے کے دیکھنے کو دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ آئینہ باشعور مخلوق ہے۔ اس خیال کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑے ہوں تو نظر کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ دو منٹ اس تصور سے کھڑا ہوا، اس کے بعد ہر فرد آئینہ نظر آیا۔ میرا سوال ہے کہ ہم نے اب تک آئینے کے دیکھنے کو دیکھا، ہم اپنے دیکھنے کو کب دیکھتے ہیں ــــ؟

ڈاکٹر فرحان (ابوظہبی): پروجیکٹر سے لہر ہمیں لے کر آتی ہے اور ہم اسکرین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ لہر واپس جاتی ہے اور ہم غائب ہوجاتے ہیں۔ اگلی لہر آتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس زمین پر ہماری فلم مکمل ہوجاتی ہے۔ خود کو محسوس کرنا، احساسات، جذبات اور ادراک سب لہر کے اندر ہے۔

شہیرہ یونس (کراچی): جب ہم آئینے کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں تو خود کیا دیکھتے ہیں ــــ؟

محمد عثمان، صائمہ عثمان (قطر): حرکت ارادے کے تحت ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ارادے کی ابتدا بھی حرکت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حرکت دوری ہے۔ وجود بھی دوری ہے۔

سلیمان ڈیوڈ (کراچی): بھوک ـــ کمی کا تقاضا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ بھوک بھی مخلوق ہے جو بتاتی ہے کہ مجھے کھانا کھانا ہے، پانی پینا ہے۔ کھانے اور پینے کے بعد بھوک خاموش ہو جاتی ہے۔ پھر سچ یہ ہے کہ کھانا بھوک نے کھایا۔ پانی ـــ پیاس نے پیا۔ نظر کیوں نہیں آتی ـــ؟

رخسار (وہاڑی): حرکت کا مطلب تقاضا ہے۔ تقاضے کی غیر موجودگی میں آدمی بے حس و حرکت ہوتا ہے۔

معین الدین (سکھر): جذب کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر چیز میں خلا ہے اس لئے سب ایک دوسرے کو جذب کرتے ہیں۔

شاکرہ بانو (سعودی عرب): جس طرح بیداری میں روشنی کا جسم سویا ہوا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح نیند میں مٹی کا جسم سویا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جاگنے کے بعد ہاتھوں سے خوش بو آنے یا زبان پر ذائقہ محسوس ہونے کی وجہ ایک وجود کے کئی میڈیم ہیں۔ مثال کے طور پر میں نے دستانے پہنے ہیں۔ میں سموسا کھاتی ہوں۔ دستانہ اتارنے کے بعد ہاتھ سے سموسے کی خوش بو آئے گی۔ وجود ایک ہے جو میڈیم بدلتا رہتا ہے۔

افراسیاب (مردان): ہم آئینے کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں، کیا آئینہ بھی ہمارے دیکھنے کو دیکھتا ہے ـــ؟

وہاج شاہ (کراچی): جاگنے کے بعد نظارے موجود رہتے ہیں، آنکھ بدل جاتی ہے۔ خواب دیکھا کہ جس کمرے میں سو رہا ہوں، وہاں کچھ لوگ آئے۔ آنکھ کھلی، کوئی نہیں تھا۔ دوبارہ سویا پھر ان لوگوں کو کمرے میں دیکھا۔ وہ اچھے لوگ تھے اور میری مدد کرنے آئے تھے۔ میرے جاگنے کے بعد بھی وہ کمرے میں موجود تھے لیکن مجھے نظر نہیں آئے۔ جب میں سویا، دوبارہ نظر آ گئے۔ دراصل میں نیند اور بیداری میں مختلف لینس سے دیکھ رہا ہوں۔

ساجد اسلام (نامعلوم شہر): ''آج کی بات'' کے دوسرے پیراگراف میں لکھا ہے کہ آئینے میں عکس نہ ہو، نقش و نگار تصویر نہ بنیں تو ہم نہیں دیکھتے۔ ہم تصویر دیکھ رہے ہیں۔

جمیلہ منیر (ملتان): ہمارا لوگوں سے تعلق حافظے کی بنیاد پر ہے۔ حافظہ متاثر ہو جائے تو ماں بچے کو اور بچہ ماں کو نہیں پہچانتا۔ حافظے کا تعلق خیال سے ہے۔ خیال بتاتا ہے کہ یہ اماں ہیں وہ ابا ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے رشتے الوژن ہیں۔ صرف خالق اور مخلوق کا رشتہ حقیقی ہے۔

شکیلہ شبیر (فیصل آباد): ہم آئینے کے اندر جو تصویر دیکھیں، اس کا علم پہلے سے ہمارے اندر ہوتا ہے اسی لئے وہ ہمیں نظر آتی ہے۔

★ میں ــــ ہوں! پر قارئین کی بڑی تعداد نے تفکر کیا۔ منتخب خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔

گلستان احمد (ٹیکسلا): ہر چیز دو رخ ہے۔ ایک رخ باطنی اور دوسرا خارجی ہے۔ پہلے باطن میں حرکت ہوتی ہے، اظہار مادی وجود کے ذریعے ہوتا ہے۔ تین ماہ کے بچے کو بھوک لگنا باطنی، اور رو کر اظہار کرنا خارجی رخ ہے۔ غیب سے تسلسل سے اطلاع آتی ہے کہ میں ہوں۔ 'میں' باطنی رخ اور 'ہوں' مادی وجود ہے۔ 'میں' اور 'ہوں'، غیب اور شہود ہیں۔ پہلا غیب اور دوسرا ظاہر ہے۔ غیب سے 'میں' منقطع ہو جائے تو 'ہوں' ڈیڈ باڈی ہے۔ ہم مادی وجود کو 'میں ہوں' سمجھتے ہیں جو غیر حقیقی بات ہے۔ 'ہوں' خود سے کچھ نہیں ہے جب تک اس میں روح (میں) نہ ہو۔ مادی وجود کی حقیقت سمجھ میں آ گئی تو اگلا مرحلہ 'میں' کو سمجھنے کا ہے۔

روشانے (پشاور): 'میں' سے ذہن میں ''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' آیا جو مشترکہ طور پر ہر وجود میں 'میں' ہے۔ 'ہوں' کا مظاہرہ کثرت میں ہے ــــ 'میں' سب میں ایک ہے۔ اس 'میں' کا ego سے تعلق نہیں ہے۔ یہ ذات حقیقی کا عرفان ہے۔

صائمہ جعفری (بریڈفورڈ): تحریر پر تفکر سے سمجھ میں آیا کہ 'میں' لاشعور اور 'ہوں' شعور ہے۔

شہنیلا تبسم (میانوالی): زندگی کی بنیاد حرکت ہے یعنی 'میں' ہے۔ اور 'میں' کا ہونا 'ہوں' ہے۔

محمد صلاح الدین (کراچی): 'میں' سے ہماری واقفیت زیادہ نہیں کہ 'میں' کا وجود غیب میں ہے۔ 'میں' کیا ہے، کیوں ہے، کس طرح ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ جب 'ہوں' کی طرف توجہ کی تو 'ہوں' بھی مسلسل غیب میں چھپ رہا ہے۔ بچپن سے اب تک مختلف ادوار کی تصویریں سامنے رکھ کر سوچتا ہوں کہ ان میں، 'میں ہوں' کون ہے۔ 'میں' کا پتہ ہے نہ 'ہوں' کی حقیقت کا ادراک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آدم کے اندر اپنی روح پھونکی۔ سماعت اور بصارت اللہ کی صفت ہے۔ اب آدمی کی حیثیت کیا ہوئی؟

ر۔م (فیصل آباد): ہر فرد کے اندر 'میں' کا احساس ہے۔ سب اس کو ذاتی اور انفرادی سمجھتے ہیں اس وجہ سے 'میں' کو تلاش نہیں کرتی۔ 'میں' کا احساس انفرادی نہیں ــــ اجتماعی ہے۔ نبی پاکؐ کا فرمان ہے کہ ''جس نے خود (نفس) کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

سمعیہ نرگس (چشمہ): 'میں' مادی جسم ہے اور 'ہوں' اصل حقیقت یعنی روح ہے۔

عظمیٰ رفیق (کوہِ سلیمان): 'میں' روح یا خیال ہے جو جسم میں حرکت کا سبب ہے اور 'ہوں' ــــ وجود فانی ہے۔

اویس بشیر: 'میں' میکانزم ہے جس سے تقاضے جسم تک پہنچتے ہیں۔ 'ہوں' وہ میکانزم ہے جو دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔

ثناگل (میانوالی): 'میں' روح ہے، 'ہوں' ــــ روح کا مظاہرہ ہے۔

★ فروری 2020ء کے مضامین پر قارئین کی آراء اور تبصرے:

و۔س (کراچی): وقت کرتا ہے پرورش برسوں ــــ فروری 2020ء کے شمارے میں سب سے اچھا مضمون تھا۔

سدرہ تبسم (اسلام آباد): سرورق تفکر طلب ہے۔ مچھلی کے پیٹ میں تین دن تک رہنا، مچھلی کا اللہ کے حکم کے تحت خاص پروگرام کا حصہ بننا، پانی میں طوفان آنا ــــ ''آقا'' کی مرضی کے بغیر ''غلام'' کا کشتی میں بیٹھنا سمندر نے قبول نہیں کیا نہ وہاں کے ایکوسسٹم نے۔ طوفانی صورت حال پیدا ہوئی۔ یہ سب حکم کی نافرمانی کا نتیجہ تھا۔

جاوید خان (ایبٹ آباد): ہر شمارے میں مضامین کا معیار پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ نئے نام پڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ بچوں کی کہانیاں میری پسندیدہ ہیں۔ ''ایک تھا ملا نصر الدین'' نے خوب ہنسایا۔

عبدالرحمٰن (حیدرآباد): آپ نے 27 جنوری 2020ء میں بتایا کہ تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ پھر توازن کیسے ہوگا؟ کیوں کہ ہم توازن quantity کے حساب سے کرتے ہیں۔

عائشہ سید (حیدرآباد): پاکستان سے باہر رہتی ہوں۔ ان دنوں حیدرآباد آئی ہوئی ہوں۔ مراقبہ ہالوں میں ہونے والی روحانی کلاسوں میں داخلہ نہیں لے سکتی پھر میری تربیت روحانی طور پر ہوگی یا مادی ذریعہ ہونا ضروری ہے۔ ہر تھوڑے عرصے بعد نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور میری معلومات غلط ہو جاتی ہیں۔ اب میں ہر بات شک کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ شک کیسے ختم کروں؟

★ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ ہدایت دیتی ہے متقیوں کو جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔'' آپ کتابوں کا مطالعہ کریں۔ محمد رسول اللہؐ جلد اول، دوم اور سوم بطور خاص پڑھیں۔

محمد طاہر (چنیوٹ): ''پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل'' لاجواب اضافہ ہے۔ ممکن ہو تو پیراسائیکالوجی کی تھیوری بھی ساتھ ساتھ بیان کی جائے۔ خواب اور تعبیر نے اتالیق کی صورت اختیار کر لی ہے۔

★ آپ سوال کریں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ ممکن ہوا تو جواب ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع ہوگا۔

عمر (راولپنڈی): انگریزی سیکشن میں مضامین کے معیار میں اضافہ ہوا ہے۔ نئے لکھنے والے اچھا لکھ رہے ہیں۔ ''میسج آف داڈے'' اور لوک کہانیاں میں شوق سے پڑھتا ہوں۔

ہیروشیما کا پہاڑ

پانی کے مالیکیولز (سالمات) متفرق مقداروں میں مرکب ہونے سے نوعی لباس تخلیق ہوتا ہے۔ جب سالمات ٹوٹتے ہیں، لباس بکھر جاتا ہے۔ ایٹم بھی پانی سے بنی ہوئی ایسی چیز ہے جس نے پانی (پہاڑ) کو اڑا دیا۔ ایٹم اور پہاڑ میں فرق مقداروں کا ہے اور مقداریں توانائی ہیں۔

ایجادات صدیوں کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہیں۔ ان کی دریافت کسی ایک دور سے منسوب نہیں، ہر زمانے نے ان کو موجودہ شکل میں ڈھالنے میں حصہ ڈالا ہے۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''ایک مصنف یا مفکر صدیوں پہلے کوئی تخیل کرتا ہے۔ یہ تخیل اس کے دماغ میں دفعتاً آتا ہے۔ جب یہ اپنا خیال دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے تو لوگ اس پر ہنستے ہیں اور کچھ لوگ اس کو پاگل کی اختراع سمجھ کر رد کر دیتے ہیں۔ صدیوں بعد جب کوئی محقق اس تخیل کو مادی شکل دیتا ہے تو دنیا تعجب میں پڑ جاتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں، سب سے پہلے وہ تخیل پیش کرنے والے کی تعریف کرنے لگتی ہے۔ ایسا کیوں؟ جس کو خیال آتا ہے وہی اس کو مادی شکل کیوں نہیں دے سکتا؟ اصل خیال صدیوں پہلے دنیا کے ایک کونے میں بسنے والے آدمی کو آتا ہے اور اس کو عملی شکل صدیوں بعد دنیا کے دوسرے کونے میں بسنے والا آدمی دیتا ہے۔ جگہ اور وقت، اسپیس اور ٹائم، ہزاروں میل اور سینکڑوں برس کا یہ فاصلہ کیا حقیقت ہے یا صرف الوژن ہے؟''

(کتاب: قدرت کی اسپیس)

ایجادات کے پس پردہ تفکر ہے۔ تقاضا پیدا ہونے پر تسکین و تکمیل کا راستہ تلاش کیا جاتا ہے جیسے،

۱۔ گرمی کیا ہے، کیوں لگتی ہے اور کیسے دور ہوتی ہے؟

۲۔ ٹھنڈی تاثیر کی حامل چیزیں کون سی ہیں، کیسے بنتی ہیں اور کہاں ملتی ہیں؟

جاننے کے لئے فرد ذہن ٹٹولتا ہے، گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہے، اشیا میں تفکر کرتا ہے اور ضرورت ایجاد در ایجاد بن جاتی ہے۔

فرد کی اہم ضرورت خود آگہی ہے جس کا تقاضا زندگی کے ہر مرحلے پر پیدا ہوتا ہے لیکن اہمیت نہیں دی جاتی۔

تخلیق کا مقصد خود کو جان کر اللہ کو پہچاننا ہے۔

رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

اندر میں کائنات کے باوجود ہم خود کو چند فٹ کا فرد دیکھتے ہیں اور اسے اپنا تعارف سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ایک رخ تصویر اور دوسرا رخ بساط ہے۔

''روشنی کے تانے بانے سے بنی ہوئی ایک چادر ہے اس کے اوپر نقش ونگار کے ساتھ تصویر بنی ہوئی ہے۔ اس تصویر کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ خود تصویر ہے اور دوسرا رخ وہ بساط ہے جس پر تصویر بنی ہوئی ہے۔ ایک رخ کا اپنا ذاتی احساس ہے کہ میں ہوں اور دوسرا اس بساط کا احساس ہے جس پر تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ حس کے دو رخ ہوئے ایک یہ کہ آدمی محسوس کر رہا ہے کہ میں موجود ہوں۔ دوسرا یہ کہ آدمی یہ بھی جانتا ہے کہ میری کوئی اصل ہے۔''

(کتاب: نظریۂ رنگ ونور)

فرد اور ادوار کا میکانزم غیب ظاہر غیب پر قائم ہے۔ فرد میں ذرّے سے لے کر پہاڑ تک ہر مخلوق شامل ہے۔ ذرّہ ٹوٹ کر اپنی ہیئت کھو دیتا ہے اور پہاڑ دھواں بن جاتا ہے۔ مثال ہیروشیما کا پہاڑ ہے جو 1945ء میں دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپان میں ایٹم بم کی تباہی میں فنا ہوا۔ دیکھنے والوں کو دور سے پہاڑ نظر آتا تھا، چھونے کی کوشش کی گئی تو وہاں دھوئیں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ پہاڑ کہاں گیا اور لوگوں نے کیا دیکھا—؟

جن لوگوں نے مذکورہ پہاڑ بذات خود یا تصویر میں دیکھا ہے، ان کے حافظے میں تصویر روشن ہو جاتی ہے۔ جنہوں نے نہیں دیکھا لیکن پہاڑ دیکھا ہے، تصویر ان کے ذہن میں بھی بنتی ہے۔

تفکر طلب یہ ہے کہ ایٹم بم سے پہاڑ کا خاکی جسم تحلیل ہوا، پہاڑ ختم نہیں ہوا۔ پہاڑ کا مادی وجود جن روشنیوں پر قائم ہے، وہ روشنیاں — روشنی کے زون میں موجود ہیں۔ یعنی پہاڑ روشنی کے زون میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی نیوکلیئر ہتھیار بنانے اور استعمال کرنے کی بات ہوتی ہے، فطرت آدمی کو ہیروشیما میں ہونے والی تباہی کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ قومیں دوبارہ ایسی بربادی سے محفوظ رہیں۔

کوئی شے ختم نہیں ہوتی، ایک زون سے دوسرے زون میں منتقل ہوتی ہے۔ ہیروشیما کے پہاڑ کا فنا ہونا دراصل پہاڑ پر سے مادیت کا خول (لباس) اترنا ہے۔ مادی وجود ٹوٹ پھوٹ سے گزرتا ہے، وجود جن روشنیوں پر قائم ہے، وہ روشنیاں ختم نہیں ہوتیں، ان کی مرکب صورت (لباس) تحلیل ہو جاتی ہے۔

ہیروشیما کے پہاڑ کی مثال سمجھنے کے لئے نسمہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ جب اشیا کا ریکارڈ نور سے روشنی اور روشنی سے نسمہ کے زون میں منتقل ہوتا ہے، آدمی کے لئے ریکارڈ میں نقش ونگار واضح ہوتے ہیں۔

نسمہ مادی جسم سے نو (9) انچ کے فاصلے پر ہیولا ہے۔ باطنی علوم کے ماہرین ہیولے کی جو ساخت بتاتے ہیں، وہ دلچسپ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہیولا تانے

بانے پر قائم ہے۔ تانے کو مفرد (ایک) اور بانے کو مرکب (دو) لہریں کہتے ہیں۔ ایک لہر جنات کی، اور دولہروں کی ساخت آدمی کی دنیا ہے۔

ایک لہر ہونے کا مطلب ایک رخ میں بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ جنات جتنا چاہیں لہر میں موجود مقدار کے مطابق طویل ہوسکتے ہیں لیکن پھیلتے نہیں ہیں۔ آدمی کے پاس طول میں بڑھنے کے ساتھ عرض میں پھیلنے کی صلاحیت ہے۔ بڑھنا اور سمٹنا روشنی کے جسم کا ہے اور تعلق فاصلہ پھیلنے اور سمٹنے کی صلاحیت سے ہے۔

نسمہ مفرد اور مرکب سمجھنے کی عام فہم مثال کپڑا ہے۔ کپڑا بُنتے ہوئے دھاگا گراف پیپر میں لکیروں کی طرح عمودی اور افقی سمتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہریں تانے بانے ▦ کی شکل میں ہیں تو بننے والے خدوخال انسان اور آدمی کی دنیا ہے۔ لہریں تانے ▥ کی شکل میں ہیں تو یہ جنات کی دنیا ہے۔

آدمی سمیت دنیا میں ہر شے پانی سے تخلیق ہوئی ہے لہٰذا پہاڑ بھی پانی ہے۔ نسمہ جب مادی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو پہلے مرحلے میں پانی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ زمین پر ہر شے کا لباس اسی مادے (پانی) سے تخلیق ہوا ہے۔ فرمان الٰہی ہے،

''ہم نے ہر زندہ شے پانی سے تخلیق کی۔'' (الانبیآ: ۳۰)

فارمولا: نور ــــ روشنی ــــ نسمہ ــــ پانی

احسن الخالقین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''وہ اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا، اس میں سے تمہارے رزق کے لئے طرح طرح کے ثمرات نکالے۔'' (ابرٰھیم: ۳۲)

پانی سے تخلیق سے متعلق وید میں لکھا ہے کہ

''پہلے اندھیرا تھا اور اندھیرا چھپا ہوا تھا۔ کسی شے کا نام ونشان نہیں تھا، ہر طرف پانی تھا۔ پھر پانی میں خلا پیدا ہوا۔ اور خلا میں دباؤ سے تخلیقات ظاہر ہوئیں۔''

(رگ وید: ۱۰: ۱۲۹۔۶)

حضرت موسیٰؑ پر نازل کتاب توریت میں ہے،

''خدا نے ابتدا میں زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور سنسان تھی۔ اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔''

(کتاب: پیدائش، باب ۱، ۱۔۲)

روح سے مراد صفات ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے کھیت اور درخت پیدا کئے۔ پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ہر ایک کی خصوصیت جدا ہے۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت غور سے دیکھو۔ ان میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں* کے لئے۔'' (الانعام: ۹۹)

*صاحبِ یقین خواتین وحضرات

تخلیق کی بنیاد (base) پانی ہے۔ کائنات کی تمام مخلوقات پانی میں یکجا ہیں۔ کسی بھی نوع کے فرد کی تخلیق کے لئے جن اشیا کی ضرورت ہے وہ سب پانی کے قطرے (اسپرم) میں موجود ہیں۔ پانی کے مالیکیولز (سالمات) متفرق مقداروں میں مرکب ہونے سے نوعی لباس تخلیق ہوتا ہے۔ جب سالمات ٹوٹتے ہیں، لباس بکھر جاتا ہے۔ ایٹم بھی پانی سے بنی ہوئی ایسی چیز ہے جس نے پانی (پہاڑ) کو اڑا دیا۔ ایٹم اور پہاڑ میں فرق مقداروں کا ہے اور مقداریں توانائی ہیں۔

''اور تم پہاڑوں کو قیاس کی نظر سے دیکھتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں۔ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' (النمل:۸۸)

پانی درجہ بدرجہ مختلف حالتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں پہلی حالت گیس ہے۔

★ حرکت کا مظاہرہ توانائی سے ہوتا ہے۔

★ توانائی میں دباؤ سے سب سے پہلے گیس نمایاں ہوتی ہے۔ گیس مادی دنیا میں خلا کو نمایاں کرنے کی ابتدائی منزل ہے۔

★ حرکت (توانائی کی منتقلی) میں تسلسل سے مزید دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں دباؤ میں حرارت کی ''مثبت'' مقداریں نمایاں ہوتی ہیں جن کو ''حدت'' کہتے ہیں۔

★ حدت سے گیس کے مالیکیولز ٹوٹتے ہیں اور پانی کی ایک حالت سیال ظاہر ہوتی ہے۔

★ سیال کو ٹھوس میں ظاہر کرنے کے لئے توانائی کے دباؤ میں کمی آتی ہے۔ یہ مرحلہ حرارت کی مقدار کا ''منفی'' ہونا ہے جسے ''ٹھنڈک'' کہتے ہیں۔ ٹھنڈک کی وجہ سے جسم جم کر ٹھوس نظر آتا ہے۔

حدت اور ٹھنڈک پانی کی ساری حالتوں میں مختلف فارمولے کے تحت موجود ہیں۔ ''ٹھوس'' کو سمجھنے کے لئے برف کی مثال لیں۔ برف میں سے بخارات نکلتے ہیں اور فضا (روشنی) میں گم ہو جاتے ہیں۔ اسی ٹھوس پن میں سے قطرہ قطرہ سیال گرتا ہے، وہ جمتا ہے یا فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

مشاہدہ بتاتا ہے کہ پانی الگ ہے، اور پانی کی حالتیں الگ ہیں۔ پانی کی ہر حالت میں تمام حالتیں موجود ہیں اور پانی ان تمام حالتوں میں پانی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پانی مادی غلاف ہے۔ غلاف تانے بانے (نسمہ) سے بنا ہے۔ غلاف میں حدت سے شے تحلیل ہوتی ہے، ٹھنڈک سے جمتی ہے اور دونوں میں توازن سے آدمی، نباتات، حیوانات، حشرات اور جمادات کا جسمانی نظام قائم رہتا ہے۔

مضمون ایجادات سے شروع ہوا۔ بات خود کو جاننے تک آئی۔ لہریں اور نقش و نگار اس عمل کے دورخ ہیں اور ان کی ایک مثال پہاڑ ہے۔ جو میکانزم پہاڑ میں کام کرتا ہے، آدمی میں بھی متحرک ہے۔

ہیروشیما کے پہاڑ کی روحانی توجیہ میں پانی اور نسمہ

کا ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ کائنات میں تخلیقات کا بنیادی مادہ پانی ہے اور پانی سے بننے والا جسم نسمہ سے تخلیق ہوتا ہے۔ نسمہ روشنی کی لہریں ہیں اور کائناتی نظام لہروں پر قائم ہے۔ لہریں مخصوص فارمولے کے مطابق مفرد اور مرکب ہوتی ہیں تو طرح طرح کی تخلیقات ظاہر ہوتی ہیں ان میں آدمی اور پہاڑ دونوں شامل ہیں۔ ہم پہاڑوں کو جما ہوا دیکھتے ہیں لیکن اللہ کے فرمان کے مطابق پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔

مرکب لہریں تحلیل ہونے سے مخلوق (پہاڑ، آدمی، پھول، پودے، رنگ وغیرہ) نظر نہیں آتی لیکن تخلیقی فارمولا موجود رہتا ہے۔ فارمولے کے عناصر مقداروں کے ساتھ روشنی اور نور کے زون میں موجود ہیں۔ لہروں میں تصرف کا علم رکھنے والا اللہ کے حکم سے مفرد لہروں کو مرکب (یکجا) کر سکتا ہے۔

ہیروشیما کا پہاڑ تباہ ہونے سے پہاڑ ختم نہیں ہوا، غلاف ریزہ ریزہ ہوا ہے۔ اسی طرح آدمی اور دیگر مخلوقات مرتی (مادی وجود ریزہ ریزہ ہونا) ہیں اور دوسرے عالم میں منتقل ہو کر اِس عالم میں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں جب کہ اُس عالم میں نظر آتی ہیں۔

کائنات میں ہر چیز غلاف میں بند ہے۔ غلاف کا فارمولا کئی آیات میں بیان ہوا ہے،

''اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر۔'' (حٰمٓ السجدۃ: ۴۷)

سورۂ رحمٰن میں ارشاد باری ہے،

''کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، طرح طرح کے غلّے ہیں جن میں بھوسا ہوتا ہے اور دانہ بھی۔ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔'' (الرحمٰن: ۱۱۔۱۲)

غلاف شناخت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے (پھل) کو غلاف (لباس) عطا کر کے ایک دوسرے سے منفرد کیا ہے۔ غلاف جن عناصر سے بنتا ہے اور جن مراحل میں تیار ہوتا ہے، اس کا فارمولا یہ ہے:

طین (مٹی) + سلالۃ (ست) + نطفہ (بوند) + علقہ (لوتھڑا) + مضغہ (بوٹی) + عظٰما (ہڈی) + لحما (گوشت) = مخلوقات اور آدمی

جس طرح آدمی ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہوتا ہے، پہاڑ اور دوسری تخلیقات بھی اسی عمل سے گزرتی ہیں۔ لہٰذا ایٹم بم کی تباہی سے پہاڑ کا غلاف، وہ غلاف جو پانی سے بنا، تحلیل ہو گیا۔

ہم جن چیزوں کو کھجور، پھول، پہاڑ یا آدمی سمجھتے ہیں، وہ سب غلاف ہیں۔ غلاف کیوں پہنایا گیا ہے اور اس کے اندر کیا ہے، اس سے وہ لوگ واقف ہوتے ہیں جو غیر جانب داری سے تفکر کرتے ہیں۔

پانی سے تخلیق پر سائنسی نقطۂ نظر:

محققین نے پانی کو دو گیسی عناصر کے مرکب تک

محدود سمجھا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک ایٹم کے، بیرونی الیکٹران کے باہم اشتراک سے سالمہ وجود میں آتا ہے جسے پانی کی اکائی قرار دیا گیا ہے۔ محققین کا اصرار ہے کہ کائنات میں جہاں بھی پانی کا ذکر ہوگا، مراد H_2O ہے۔ وہ دوسرے مائعاتی مرکبات کو پانی نہیں کہتے۔ کہتے ہیں کہ صرف H_2O پانی ہے لیکن یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کسی جان دار میں H_2O کے سالمات ٹوٹ جائیں (ہائیڈروجن کے دونوں یا ایک ایٹم آکسیجن کے ایک ایٹم سے الگ ہوجائے) تو ان میں زندگی کے لئے ضروری کیمیائی مادوں کی ترکیب بدلنے سے وہ زندہ نہیں رہتے۔

محققین کا ماننا ہے کہ پانی دوسرے سیاروں پر موجود نہیں۔ جب وہ اپنی زمین سے باہر گئے نہیں پھر کیسے معلوم کہ پانی دوسرے سیارے پر نہیں ہے؟

ہر شے پانی سے تخلیق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر سیارہ چاہے وہ کسی بھی کہکشانی نظام میں ہو، پانی سے تخلیق ہوا ہے۔ چوں کہ پانی میں ہر تخلیق کے اجزا ہیں اس لئے ان سیاروں پر زندگی موجود ہے۔

قرآن کریم میں پانی کی ترکیب اور ماہیت بیان کی گئی ہے — پانی ایسی مقداروں اور صفات کا مجموعہ ہے جو کائنات میں کسی بھی سیارے یا نظام میں موجود حیات کی بنیاد ہے۔ چناں چہ ایک سیارے کے عناصر اور مرکبات کی ترکیب اگر دوسرے سیارے سے یکسر مختلف ہے تو قرآن کے مطابق ان دو مختلف سیاروں پر موجود حیات اور پانی کی طرزیں، ترکیب اور ماہیت اپنے سیارے کی مناسبت سے ہوں گی۔

توجہ طلب ہے کہ قرآن کریم پانی کو مخصوص عناصر کا مرکب قرار دینے کے بجائے کائنات میں حیات کی بنیاد اور اساسی میڈیم قرار دیتا ہے۔ یعنی حیات کے تمام عناصر اس میں ہیں لیکن محقق اسے دو عناصر ہائیڈروجن اور آکسیجن تک محدود سمجھتا ہے۔ H_2O سے بننے والا محلول ایک مرکب ہوسکتا ہے، پانی نہیں!

پانی ہر جگہ پانی ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ میٹھے پانی کا فارمولا الگ، نمکین کا الگ اور بھاری پانی کا فارمولا الگ ہے۔ پٹرول بھی پانی کی ایک شکل ہے۔ بشمول پہاڑ کے کائنات میں موجود ہر چیز پانی کی مختلف مقداریں یعنی مرکبات ہیں۔

پہاڑوں کے رنگ اور نام بھی مختلف ہیں جو ان میں متفرق فارمولوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

خالق کائنات متوجہ کرتے ہیں کہ

''تم پہاڑوں کو قیاس کی نظر سے دیکھتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں۔ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' (النمل:۸۸)

قارئین! پہاڑ جمے ہوئے نہیں، بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ اب — سوچنا یہ ہے کہ بادل کیا ہیں؟

زاہدہ تبسم

خوش بو کی شاعرہ

پھول کی ایک قسم Beach Evening Primrose کو شہد کی مکھیوں کی ریکارڈ شدہ آوازیں سنائی گئیں۔ تجربے سے پہلے اور بعد میں پھولوں کے رس جمع کئے گئے۔ مشاہدہ ہوا کہ آوازیں سننے کے تین منٹ بعد رس میں شکر کی مقدار میں 20 فی صد اضافہ ہوا۔

روشنیوں کے شہر کراچی میں فروری کا ایک پُر بہار دن تھا۔ ساحل سے نزدیک پھولوں کی نمائش میں شرکت کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت — ہزاروں قسم کے پھولوں کا مشاہدہ کیا۔ نباتات اور پھول دار پودوں کی اقسام کے علاوہ یہاں انسانی ہاتھ سے بنائے گئے فلورل آرٹ کے اسٹال تھے۔ پھولوں اور جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ مصنوعات فروخت کے لئے رکھی گئی تھیں۔ کچھ اسٹالوں پر قدرتی اشیا، سبزے اور پھولوں سے گھروں کی سجاوٹ کے لئے راہ نمائی کی جارہی تھی۔ نمائش میں لوگوں کا ذوق وشوق دیکھ کر علم الیقین — عین الیقین کے درجے میں داخل ہوا کہ آدمی فطری طور پر خوب صورتی اور لطافت پسند کرتا ہے۔ تجسس تھا کہ وہ کون سا عنصر ہے جس کی وجہ سے سکون اور خوشی کی کیفیت پھولوں سے منسلک ہے —؟

نام شے کو جاننے کا میڈیم ہے۔ میڈیم دراصل پردہ ہے، مفہوم جس میں مخفی ہے۔ مفہوم سے شے کی صفات وابستہ ہوتی ہیں۔ صفت سے واقف ہونے پر صفت سے وابستہ الفاظ یا نام پر انحصار نہیں کرنا پڑتا، نام کی حیثیت ثانوی ہوجاتی ہے۔ مثلاً دنیا کی کسی بھی زبان میں پھول کو بیان کیا جائے، ذہن میں ایک ہی مفہوم آتا ہے جو خوش بو، لطافت ومعصومیت، پاکیزگی ومحبت اور خوشی وزندگی سے وابستہ ہے۔ اسی طرح فطری ماحول کے تصور سے دل کش مناظر مثلاً سائبان آسمان، چاند، ستارے، سبزہ، صاف ہوا، برفانی علاقے، سمندر، دریا، آبشار، رنگ برنگ پرندے اور تتلیاں وغیرہ یاد آتی ہیں۔ قدرت کی کاریگری میں پھولوں کا سحر منفرد ہے۔ رنگوں اور خوش بو سے زمین کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ فضا معطر ہوجاتی ہے۔ حساس طبیعت لوگ پھولوں سے محبت کرتے ہیں۔ شاعروں نے وجدانی کیفیت کے لئے پھولوں کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ خوش بو کی شاعرہ پروین شاکر کہتی ہیں،

بہار نے مری آنکھوں پر پھول باندھ دیئے
رہائی پاؤں تو کیسے ، حصارِ رنگ میں ہوں

ان کے ایک مقبول کلام کا مطلع ہے،

کُو بہ کُو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوش بو کی طرح میری پذیرائی کی

پھولوں کی لاکھوں اقسام ہیں۔ پھول دراصل پودے کی تولیدی ساخت ہیں اور بیج پیدا کرنے میں معاون ہیں۔ اکثر پھول ــــ پھل میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

تحقیقی نقطۂ نظر سے پھول دراصل شاخ کی ترمیم شدہ شکل ہے جو عموماً چار حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سبز پتیوں کے لبادے میں بیرونی حفاظتی حلقہ calyx کہلاتا ہے۔ دوسرا حلقہ جو رنگین وخوش نما پنکھڑیوں (petals) کا مجموعہ ہے اسے ''چہرۂ گل'' بھی کہتے ہیں۔ تولیدی حصہ درمیان میں ہوتا ہے۔ چہرۂ گل کا کام حشرات کو متوجہ کرنا ہے۔ حشرات زیرگی (pollination) میں مددگار ہیں۔ زیرگی کا عمل ہوا، پانی، پرندوں اور دیگر حیوانات کی مدد سے بھی انجام پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر پھول کی جیومیٹریکل ساخت منفرد، مکمل اور معین رکھی ہے۔ تفکر کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ یہ علیحدہ موضوع اور تفصیل طلب ہے جس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

پھول خالق کائنات کی نعمت ہے۔ جہاں اس کا تعلق سجاوٹ سے ہے، وہاں احساسات و جذبات اور ادویات سے بھی ہے۔ احساسات وجذبات کے اظہار کے حوالے سے ہر دور اور ہر معاشرے میں پھولوں کو پسند کیا گیا ہے۔ خوشی اور غم کی تقریبات ان کے بغیر ادھوری ہیں۔ یہ گھروں اور تقریبات میں سجاوٹ کا ذریعہ ہیں۔ مذہبی رسوم و رواج میں ان کا استعمال عام ہے۔ بعض مذاہب میں مخصوص پھولوں کی عقیدت کی حد تک اہمیت ہے۔ حکیم لقمان پھولوں کی خوش بو سے بھی لوگوں کا علاج کرتے تھے۔

کلر تھراپی کے ماہرین بتاتے ہیں کہ پھول رنگوں کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔ رنگ جذبات کا علامتی اظہار ہیں اور ذہنی اور جسمانی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سرخ گلاب محبت اور قربت کی عالمگیر علامت ہے۔ متحرک اور پُرجوش لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔ سفید پھول پاکیزگی اور عقیدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تیز رنگ پھول شادی کے تحفے کے لئے مناسب ہیں۔ زرد اور نارنجی پھول خوشی اور جوش وخروش پیدا کرتے ہیں۔ جامنی پھول سکون کی علامت ہے۔ ہلکی چاندنی میں شب دلہن ــــ رات کی رانی کی مسحور کن خوش بو کے پاس بیٹھا جائے تو آدمی کے اوپر خمار کی چادر آجاتی ہے۔

کتاب ''رنگ وروشنی سے علاج'' میں نفرت، حسد اور سنگ دلی کا علاج تجویز ہے کہ گل دستوں کو ہر روز کم از کم دس منٹ تک دیکھنے سے چند روز میں یہ اخلاقی امراض دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں

کینسر کے علاج کے لئے گیندے کا پھول تجویز کیا گیا ہے جس پر لوگوں نے Ph.D بھی کی ہے۔اس ضمن میں Ph.D کا ایک تحقیقی مقالہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع ہو چکا ہے۔گیندے کے پھول سے کینسر کے علاج کی توجیہ میں محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''خون میں برقی رو جن حصوں سے بچ کر نکل جاتی ہے ان میں جان نہیں رہتی اور ساتھ ہی ساتھ ان حصوں میں بہت باریک گول کیڑے بن جاتے ہیں۔ یہ کیڑا دراصل سوراخ ہوتا ہے۔ اس سوراخ کی خوراک برقی رو ہوتی ہے جس پر سرخ رنگ غالب ہے۔وہ برقی رو جو زندگی کے مصرف میں آنی چاہئے تھی وہ ان سوراخوں کی خوراک بن جاتی ہے۔''

گیندے کے پھول کی خاصیت پر لکھتے ہیں،

''گیندے کے چھوٹے پھول میں وہ برقی رو موجود ہے جو سوراخوں کی خوراک بنتی ہے۔اس کی وجہ سے خون میں دور کرنے والی برقی رو کم سے کم سوراخوں کی خوراک بنتی ہے۔اور کچھ عرصے بعد گیندے کے پھول میں کام کرنے والی رو اس کی قائم مقام بن جاتی ہے۔''

یونیورسٹی آف نارتھ فلوریڈا کی تحقیقی ٹیم نے پھولوں کے اثرات پر تحقیق کی۔انہوں نے ڈپریشن میں مبتلا افراد کو گھر پر پھول رکھنے کا کہا۔جب لوگوں نے گھر کی تزئین و آرائش میں پھولوں کو شامل کیا یا کسی بھی طرح پھولوں کے ماحول میں رہنا شروع کیا تو ذہنی تناؤ میں کمی آئی، یکسوئی کی وجہ سے مزاج بہتر ہوا اور لوگوں کی یادداشت اچھی ہوگئی۔

مختلف سروے نتائج پیش کرتے ہیں کہ اسپتال کے کمروں میں پھول رکھنے سے مریضوں میں اضطراب اور بیماری کا احساس کم ہوجاتا ہے۔اضافی دواؤں کی ضرورت نہیں رہتی، بلڈ پریشر معتدل ہوجاتا ہے۔ کلاسوں اور لیکچر ہالوں میں آرائشِ گل سے حاضری میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔صلاحیت کو جلا ملتی ہے۔

پھول دار پودوں کی دیکھ بھال صحت مند سرگرمی ہے۔ فطری ماحول میں منفی رجحانات نہیں ہوتے اس لئے توانائی ذخیرہ ہوتی رہتی ہے۔فطرت سے قریب رہنے والے لوگوں کے چہروں پر بشاشت اور اطمینان ہوتا ہے اور وہ خوش مزاج ہوتے ہیں۔

اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیو جرمنی میں ''طرزِ عمل'' کے موضوع پر دس ماہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ تحفے میں پھول دیئے جائیں تو دونوں طرف مسکراہٹ اور خوشی کا تبادلہ ہوتا ہے اور طویل عرصے تک تعلقات مثبت رہتے ہیں۔

۲۔ ہدیۂ گل ــــ عزیز و اقارب اور دوستوں سے روابط مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔

۳۔ گھر یا ادارے کے داخلی حصے (entrance) پر پھول سجائے جائیں تو آنے والے مہمانوں کو پُرجوش استقبال کا احساس ہوتا ہے۔

نیوروسائنس نے ان نتائج کی توجیہ پیش کی ہے کہ پھولوں کی موجودگی یا تصور سے خوشی، سکون اور دیگر

لطیف کیفیات کس طرح ابھرتی ہیں۔

پھول کے رنگ اور خوش بو سے پیدا ہونے والا احساس خوش خبری یا انعام ملنے کے جذبات سے مماثل ہے۔اس وقت دماغ ڈوپامائن نیوروٹرانسمیٹر نامی کیمیائی مادہ خارج کرتا ہے۔محققین کا کہنا ہے کہ دماغ میں اس کیمیائی مادے کا توازن ذہنی یکسوئی، نیند اور سیکھنے کے عمل کے لئے ضروری ہے۔

خلوص اور محبت سے پھول ملنے پر oxytocin ہارمون خارج ہوتا ہے یہ تعلقات میں ربط پیدا کرنے والا ہارمون ہے جس سے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔

پھول خریدنے، سجانے اور باغبانی کرنے سے serotonin ہارمون کی سطح بڑھتی ہے۔ یہ ڈپریشن کے خلاف مدافعت کا کام کرتا ہے۔

Endorphin کو خوشی کا ہارمون کہا جاتا ہے۔ یہ ہارمون محض پھولوں کے تصور یا خوش بو سے متحرک ہوتا ہے۔

Cortisol تناؤ کا ہارمون ہے، پھول دیکھنے پر اس ہارمون کی مقداریں متوازن ہوتی ہیں۔

پھولوں کے عرق اور خوش بو سے ناک میں موجود *receptors متحرک ہوتے ہیں۔ اعصاب ان کے ذریعے دماغ تک پیغام لے جاتے ہیں اور وہ نظام متحرک ہوتا ہے جس کا تعلق جذبات، حافظے، دھڑکن، بلڈ پریشر، ذہنی تناؤ اور ہارمونز میں توازن سے ہے۔

کائنات میں ذرّہ ذرّہ برقی مقناطیسی میدان کے ذریعے ربط میں ہے۔ ہر شے سنتی ہے، بولتی ہے اور حواس رکھتی ہے۔حشرات اور پھولوں کے درمیان برقی مقناطیسی میدان کے ذریعے گفتگو ہوتی ہے۔ پھول کا رنگ، خوش بو اور رس (nectar) حشرات کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔اس میں برقی رو کا کردار اہم ہے کیوں کہ کشش کا عمل برقی رو کے ذریعے انجام پاتا ہے۔

ہر شے مادی ذرّات کا مجموعہ اور برقی چارج کی حامل ہے۔ نباتات عموماً منفی چارج اور کم زور برقی میدان رکھتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق شہد کی مکھی میں اڑان کے وقت پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے تقریباً 200 والٹ کا مثبت برقی چارج پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ پھولوں کے قریب آتی ہے تو دونوں کے متضاد چارج سے ایک برقی قوت تخلیق ہوتی ہے جو اطلاع کی ترسیل کرتی ہے، زردانے اس سے چپک جاتے ہیں۔ پھول اس برقی میدان کے ذریعے نہ صرف حشرات بلکہ دیگر انواع بشمول نوع آدم سے رابطہ رکھتے ہیں۔

گزشتہ سال محققین کی ایک ٹیم نے اس رابطے سے متعلق مزید تحقیق کی۔ پھول کی ایک قسم Beach Evening Primrose کو شہد کی مکھیوں کی ریکارڈ شدہ آوازیں سنائی گئیں۔ تجربے سے پہلے اور بعد میں پھولوں کے رس جمع کئے گئے۔ مشاہدہ ہوا کہ آوازیں سننے کے تین منٹ بعد رس میں شکر کی مقدار میں 20 فی صد اضافہ ہوا۔

* receptor حسّاسہ جو تحریک (خوش بو، روشنی، حرارت) وصول کر کے حسّی اعصاب کو مطلع کرتا ہے۔

متبادل علاج کے طور پر فطری توانائی سے استفادہ کرنے کے کئی طریقے رائج ہیں۔ان میں ایک طریقہ vibrational healing ہے یعنی لہروں یا ارتعاش کے ذریعے شفا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہر شے کا قیام لہر پر ہے۔لہر میں مخصوص فریکوئنسی کے تحت ارتعاش ہوتا ہے۔لہریں کس طرح اور کیا عمل کرتی ہیں اور انسان، حیوانات، نباتات و جمادات کی کیفیات پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں ـــ تحقیقی دنیا میں یہ بات حل طلب ہے۔

مخلوقات میں توانائی کا ذخیرہ ہے ـــ ایک دوسرے سے توانائی کا تبادلہ کرتی ہیں۔ سخت جملہ کہنے سے منفی لہریں منتقل ہوتی ہیں ـــ بیمار کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اچھی بات کہنا صحت مند لہروں کی منتقلی ہے۔

توانائی، لہریں اور روشنی آدمی اور پھولوں کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے۔ پھول کا رنگ اور خوش بو ارتعاش کے ذریعے ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

کلر تھراپی طریقِ علاج کے تحت رنگ و روشنی جسم پر ڈالی جائے یا مخصوص رنگ کا مراقبہ کیا جائے تو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔پھول کے رنگ اور خوش بو سے برقی مقناطیسی اثر پیدا ہوتا ہے جو جسمانی نظام میں توازن رکھتا ہے اور توانائی میں کمی بیشی دور ہوتی ہے۔

پھول دو پرتوں سے مرکب ہے۔خارجی دنیا کا پرت تغیر سے گزرتا ہے، کھلتا ہے، مرجھاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے۔دوسرا پرت تانا بانا (گراف پیپر) ہے۔

مادی نگاہ سے پھول دیکھنا، پھول کی تصویر دیکھنا اور تصور میں پھول دیکھنا، تینوں اطلاع کے زاویے ہیں۔ اطلاع کا ریکارڈ باطنی دنیا (انفس) میں ہے یعنی پھول کی اصل ہمارے اندر ہے۔پھول سے منسلک دنیا ہم سے الگ نہیں ہے۔مثلاً میرے ہاتھ میں سرخ گلاب ہے۔وہ میرے مادی وجود سے منسلک ہے۔مادی وجود باغ میں موجود گھاس کے قالین پر ہے۔ باغ سیارہ زمین پر واقع ہے جو بہت بڑے کہکشانی نظام اور کائنات کا نہایت چھوٹا حصہ ہے۔

شعوری نگاہ مجبور ہے کہ مجھے، گلاب، باغ اور زمین کو کائنات سے الگ دیکھتی ہے۔کائنات ہمارے اندر ہے۔کائنات میں کوئی ایسی شے نہیں جو ہم نہ دیکھ سکیں۔ گلاب اندر میں ہے۔گلاب کا باطن، گلاب کی اصل اور گلاب کے ابا آدم اور اماں حوا سب باطن میں ہیں۔ اندر میں ریکارڈ مرجھاتا، سوکھتا اور جھڑتا نہیں ہے، تروتازہ اور نو خیز رہتا ہے۔یہ ریکارڈ مادی گلاب کو خدوخال، رنگ اور خوش بو فراہم کرتا ہے۔

پھولوں کے باطنی رخ، ابا آدم اور اماں حوا تک رسائی ان کے تخلیقی اسرار اور شفایابی کے راز منکشف کرتی ہے اور پھولوں کی گفتگو سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ ایسے خواتین و حضرات موجود ہیں جو پودوں اور پھولوں سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کی موجودگی سے خوش ہو کر پنکھڑیوں کا رنگ شگفتہ ہو جاتا ہے۔

سرورق کی تشریح

واقف اسرارِ کُن فیکون — ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

ہوگا تیری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ　　مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

کائنات اللہ کی محبت کا مظاہرہ ہے۔ رموز سے بھرپور نیلگوں چھت — اسرار سے لبریز خاکی زمین — زمین و آسمان میں رنگ رنگ موجودات ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی عظیم الشان ہستی خالق کائنات کی محبت کا عکس نہیں تو اور کیا ہے۔ آدمی بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے ایک ذرّہ تخلیق نہیں کر سکتا — اللہ نے پوری کائنات اسے بغیر مشقت کے مفت عطا کر دی ہے کہ وہ اس میں اللہ کے ''امر'' سے تصرف کرے۔ لفظ امر بظاہر تین حروف پر مشتمل ہے لیکن اس ایک لفظ میں نظام کائنات چلانے کا طریقِ کار ہے۔ ہر علم حکم کے تحت حرکت میں ہے اور حکم ''امر'' میں مخفی ہے۔ اس میں کُن — فیکون کا ریکارڈ ہے۔

''اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ''ہو''، وہ ہو جاتی ہے۔'' (یٰسٓ: ۸۲)

امر الٰہی میں ارادہ — شے — ہوجا — ظہور شے — سب شامل ہیں۔

اگر ہم اللہ کے ''امر'' سے واقف ہو جائیں تو فارمولوں (تخلیقی علوم) سے واقف ہو جائیں گے جن کو اللہ نے علم الاسما فرمایا ہے اور جن کی وجہ سے انسان احسن تقویم ہے مگر — نافرمانی نے اسفل سافلین میں پھینک دیا ہے۔

اللہ کے امر سے کیسے واقف ہوں — ؟ حدیث قدسی ہے،

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔''

محبت — ادب سکھاتی ہے اور ادب عرفان کے راستے کھولتا ہے۔ محبت محض زبان سے اقرار نہیں ہے، دل کی تصدیق چاہئے کیوں کہ دل نے جو دیکھا — جھوٹ نہیں دیکھا۔ سیرت طیبہؐ کو حرز جاں بنائے بغیر یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تک پہنچنے کا راستہ اللہ کے محبوبؐ کی حیات مبارک پر عمل کرنا ہے۔

سرورق میں کہکشانی نظام ہے، بادلوں کی طرح پہاڑ ہیں۔ زمین و آسمان اور طرح طرح کی مخلوقات ہیں۔ یہ سب رنگین ہیں۔ رنگ کی جس چادر پر نقش و نگار بنے ہیں، وہ نظر نہیں آتی — غور سے دیکھنے پر نظر آجاتی ہے۔ سرورق کو

پلک جھپکے بغیر دیکھنے سے نگاہ میں گہرائی پیدا ہوئی، شعور نے گہرائی کو محسوس کیا۔ رنگوں کی حیثیت ثانوی ہوگئی اور ذہن رنگین ہوگیا۔ سرورق میں دائیں جانب مذکر — بائیں جانب مونث ہے۔ فہم بتاتی ہے کہ نوع آدم کے مذکر مونث کو استعارے کے طور پر دکھا کر ''جوڑے جوڑے'' کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ (ایک مخلص دوست)

کائنات — مخلوق — حواس اور تقاضے کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی چاہت کا مظاہرہ ہیں۔ خالق کائنات فرماتے ہیں،

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔''

اللہ کے حکم سے وسائل جس سرعت (تیزی) سے ظاہر ہوتے ہیں مخلوق کو ادراک نہیں — شے ظاہر ہوجاتی ہے۔ خالق کے ذہن میں کائنات سے متعلق اجزائے ترکیبی، ان اجزا میں ماضی، حال اور مستقبل جس طرح ہے، کُن کہنے سے وجود میں ہوگیا۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد عالی مقام ہے،

''قلم لکھ کر خشک ہوگیا۔''

سمجھنے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کُن کے ساتھ کائناتی ریکارڈ کی فلم بن گئی جو بار بار اسکرین پر ظاہر ہورہی ہے۔ یعنی ماضی خود کو دہرا رہا ہے۔ قدرت نے انسان کو ٹائم اور اسپیس کا ادراک عطا کیا ہے۔ یہ ادراک منکشف کرتا ہے کہ جو کچھ ہے یا آئندہ ہوگا — سب ہو چکا ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے ہم اس کو حال اور مستقبل کہتے ہیں۔

(یاسمین گل۔ فیصل آباد)

اجسام رنگوں کی اجتماعیت ہیں اور کائنات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ رنگ حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ ہر حرکت رنگ ہے اور رنگ ایک سے زائد ہیں۔ بیج بونے سے بے شمار رنگین کیمیائی مرکبات زمین میں جڑ پکڑتے ہیں۔ پانی کی مدد سے مٹی کے ذرّات رنگوں میں تبدیل ہوکر بیج میں خون بن کر دوڑتے ہیں۔ رنگوں کی نشوونما سے پتیاں،

پھول اور پھل بنتے ہیں۔ زندگی تمام مخلوقات میں اس کیمیائی عمل پر قائم ہے۔ شکلیں — رنگوں کی اجتماعیت ہے۔ قانون ہے کہ اصل محفوظ رہتی ہے — عکس منتقل ہوتا ہے۔ چناں چہ تمام مخلوقات ظہور میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادے میں جس طرح محفوظ تھی اب بھی محفوظ ہے۔ خالق کے ارادے کا عکس اسکرین پر ظاہر ہے۔ کائنات لہروں (روشنی) کے نزول وصعود پر قائم ہے۔ لہروں کے بکھرنے سے لاشمار نظام تعمیر ہوتے ہیں۔ (پ۔ط، چنیوٹ)

اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق کرنے کا ارادہ کیا۔ ارادے میں خدوخال ظاہر ہوگئے۔ کائنات اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم میں سے ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کو عطا کر کے مخلوقات میں اشرف بنا دیا ہے۔
(فرحانہ طلعت۔ فیصل آباد)

کٹھ پتلی ہے یہ نوع ہماری ساقی　　حرکت ہے اشارات پہ ساری ساقی
ہوتی ہے جو تحریک تو پیتے ہیں ہم　　ورنہ ہے بساط کیا ہماری ساقی

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی رباعی میں ''امر'' کی تشریح ہے۔ بلاشبہ اللہ کا ارادہ حکم کے ساتھ مظہر بنتا ہے۔ امر کے معنی حکم ہے۔ ہر شے کی مقداریں پروگرام کے مطابق ظاہر ہوگئیں۔ ارادے میں شے موجود ہوتی ہے۔ کُن — مظہر ہونا اور مظاہرے میں رنگ ہے۔ رنگ ظاہر ہونے سے وجود بنتا ہے اور معین مقداروں کی وجہ سے شیر، بکری، چرند، پرند، آدمی اور انسان میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے،

''وہ آسمان سے زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے اور اس تدبیر کی روداد اس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔'' (السجدۃ: ۵)

اللہ کا امر — ضمیر کی آواز بن کر انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ ہزار سال کا وقفہ اللہ کے نزدیک کچھ نہیں۔ سرورق کو مزید سمجھنے کے لئے کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں ''مکتوب گرامی'' کا مطالعہ کیجئے۔
(سیما نجم الدین۔ شہر کا نام نہیں لکھا)

زندگی حرکت پر قائم ہے اور حرکت کا source خیال ہے۔ حرکت کی بے شمار مقداریں ہیں، ہر مقدار ایک مخلوق ہے۔ مقداروں کی تفصیل لوح محفوظ پر نقش ہے۔ حرکت اللہ کے حکم سے شروع ہوئی اور حکم کے تحت غیب سے ظاہر — ظاہر سے غیب ہو رہی ہے۔ زندگی غیب کے نقوش ہیں جو مسلسل دہرائے جا رہے ہیں۔ (ثمینہ مقصود۔ فیصل آباد)

ENIGMA
School of Fine Art

Knowledge of Art is based on Circles and Triangles...
(Hazret Khwaja Shamsuddin Azeemi)

Weekly Classes of:

1. DRAWING
2. PAINTING (Oil, Acrylics, Watercolor)
3. CALLIGRAPHY (Arabic,Urdu,English)

FOR

1. Students (Beginners and Advanced)
2. Art lovers and enthusiasts of all ages

Get your registration asap...
Contact:
03400282786, 03470003738
Concept-Artist:
Hamed Ibraheem Azeemi

HamedAzeemi

ENIGMA School of Fine Art
Intro Classes in Phalia (MB Din).
From February 2020

زیرِ سرپرستی
اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

فری ممبرشپ

جنڈ، اٹک

ذہنی سکون حاصل کرنے اور فکری آبیاری کے لئے۔

مطالعہ کی عادت اپنائیں....

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب

حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

شکریہ

س۔م (کراچی): چار ماہ قبل خط لکھا تھا کہ مجھے بچپن سے نزلے کی شکایت ہے۔ ایک ناک مستقل بند رہتی ہے۔ سانس لینے میں دشواری سے اعصاب کم زور ہیں۔ ہوا تبدیل ہونے سے چھینکیں آتی ہیں اور آنکھوں سے پانی بہتا ہے۔ دسمبر 2019ء کے شمارے میں آپ نے راہ نمائی فرمائی کہ ناک میں غدود بن گئے ہیں اور علاج سمندری پانی، ناک کے ذریعے گہرا سانس لے کر اندر لینا اور منہ سے نکالنا ہے۔ عمل کیا اور ناک کھل گئی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے دونوں نتھنوں سے سانس لی ہے — شکریہ۔

شاخ پر چڑیا

ا۔ا۔خ (ابوظہبی): میرے اندر اعتماد کی شدید کمی ہے۔ سماجی میل جول میں جھجک، میٹنگ میں دھڑکن تیز اور بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے اندر بزدلی ہے لیکن کبھی کبھی حیرت انگیز طور پر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ غلطی کی نشان دہی پر حالت غیر ہو جاتی ہے۔ 40 سالہ زندگی میں ایک مرتبہ اعتماد محسوس کیا جب تقریباً سات روز شمع بینی کی۔ بعد میں اجازت نہ ملنے پر مشق ترک کر دی۔ پہلی بار اسکول گیا تو آس پاس نئے لوگ دیکھ کر رونے لگا۔ استاد نے پہلے پیار کیا، میں چپ نہیں ہوا تو زور دار تھپڑ مارا — میں خاموش ہو گیا۔ ان سے ایک سال پڑھ کر دوسرے استاد کے پاس گیا۔ وہ بھی سخت سزائیں دیتے تھے۔ پانچویں جماعت تک اسکول سے گھبراتا تھا۔ بڑے بھائی کا رویہ بھی سخت رہا۔ حساسیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ معمولی مذاق پر افسردہ ہو جاتا ہوں۔ میری زندگی کو اعتماد اور اعتدال پر لانے میں مدد کریں۔

جواب: رات کو سونے سے پہلے سیدھی کروٹ لیٹ کر ہاتھ کھول کر کان کے نیچے رکھ لیں۔ بند آنکھوں سے تصور کریں کہ ایک پُر بہار درخت ہے جس کی ایک شاخ پر نہایت خوب صورت چڑیا بیٹھی ہے۔ آپ کو درخت پر چڑھ کر اس چڑیا کو پکڑنا ہے۔ یہ مشق رات کو سونے سے پہلے کریں اور چڑیا کو پکڑنے کی کوشش میں سو جائیں۔ 21 دن مشق کریں۔ کھانوں میں چکنائی اور نمک سے

پر ہیز ضروری ہے۔ بغیر تیل کے کھانے میں کچا زیتون کا تیل دو یا ایک ٹی اسپون استعمال کر سکتے ہیں۔

اچھی تصویر

جنت الفردوس (گرین ٹاؤن): عشا کی نماز میں ڈر جاتی ہوں اس لئے اکثر عشا کی نماز چھوڑ دیتی ہوں۔ لگتا ہے کوئی کھڑا ہے۔ کبھی کبھار محسوس ہوتا ہے کہ کمر پر ہاتھ لگایا ہے۔ اس تکلیف سے نجات دیں۔ میں 72 گھنٹے جاگنے کی مشق کرنا چاہتی ہوں۔ اجازت درکار ہے۔

جواب: اپنی دو تصویریں بنائیں۔ ایک تصویر آنکھوں کو اچھی لگے، دوسری تصویر دیکھ کر ذہن پر بوجھ پڑے۔ ہلکے کاغذ پر ان کا پرنٹ لیں اس طرح کہ اوپر بری تصویر اور نیچے اچھی تصویر رکھیں۔ اب دونوں تصاویر کو ایسے فولڈ کریں کہ بری تصویر میں اچھی تصویر کا عکس نظر آئے۔ یعنی فولڈ کرنے کے بعد اچھی تصویر پس منظر میں، بری تصویر اس کے اوپر ہو۔ اچھی تصویر کا عکس گہرا اور بری تصویر کا ہلکا ہونا چاہئے تاکہ بری تصویر میں سے اچھی تصویر نظر آئے۔ اس ڈبل تصویر کو گھڑی میں الارم لگا کر پانچ منٹ 12 سیکنڈ تک دیکھنا ہے۔

100 جتن

راشدہ بیگم (دومنٹ چورنگی): بلا شبہ روحانی سلسلے کی تعلیمات بندے کو اللہ سے ملاتی ہیں۔ اللہ سے ملنے میں جو سکون حاصل ہوتا ہے وہ بڑی نعمت ہے۔ پیراسائیکالوجی سے مسائل کے حل میں تھیوری پڑھی۔ حاصل مطالعہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے مربوط نظام کے تحت خیال اور تحریک زندگی پر محیط ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مظاہر کائنات میں تصرف کا سبب خیال ٹھہرا تو ذہنی تحریک منفی کیوں ہو جاتی ہے؟ خالق کی جانب متوجہ ہونے اور خود کو غور و فکر پر آمادہ کرنے کے لئے 100 جتن کیوں کرنا پڑتے ہیں؟

جواب: جنت ایسا مقام ہے جہاں خوشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ذہن پُرسکون اور خوف سے آزاد ہے۔ مناظر دلکش اور فضا پھولوں کی خوش بو سے معطر ہے لیکن جنت کے ماحول کی ایک شرط ہے ـــ جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو اور جنت کی پُرفضا اور سبک خرام ہوا میں زندگی کا لطف اٹھاؤ۔ لیکن ـــ شماریات سے زیادہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے قریب جانے کو منع فرمایا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر درخت کے بارے میں کھوج لگایا تو اپنے اوپر ظلم کرو گے اور جنت میں نہیں رہو گے۔ جو کچھ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ حکم عدولی سے نافرمانی ہوئی اور جنت کی فضا نے رد کر دیا۔ فتکونا من الظٰلمین ـــ پر تفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق و مالک اللہ کے فرمان کی نافرمانی ہوئی۔ اب خیر کی جگہ شر کا غلبہ ہو گیا جس کو ابلیس، نافرمان، شیطان، مردود اور بھٹکا ہوا کردار کہا گیا۔ نافرمان بندے کے لئے جنت کے دروازے بند ہیں۔ اللہ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ آدمی کے اندر منفی تحریک اس لئے ہوتی ہے کہ آدم سے نافرمانی ہوئی۔ توجہ اللہ کی

طرف سے ہٹ کر شیطان کی طرف ہوگئی۔ اب آدمی کے اندر فرماں برداری اور نافرمانی دو وصف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق دنیا ئیں دو رخوں پر تخلیق ہوئی ہیں۔ ایک رخ اللہ کے لئے پسندیدہ ہے۔ اطاعت کے لئے اللہ نے پیغمبروں کو دنیاؤں میں بھیجا۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہؐ کی رحمت کے وسیلے سے، برائیوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

کھلا آسمان

نام شائع نہ کریں (کراچی): شادی کو چودہ سال ہوگئے ہیں۔ شوہر ایک سال کماتے ہیں، دوسرے سال گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ کس طرح زندگی گزرتی ہے، آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ بہت علاج کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی۔

مشترکہ خاندانی نظام میں رہتی ہوں۔ ذہنی سکون نہیں ہے۔ گزارش ہے کہ میرے لئے ایسا علاج تجویز کریں جو میں خاندان میں رہ کر کرسکوں۔ گھر میں پرائیویسی ناممکن ہے۔

جواب: رات کو سونے سے پہلے ایسی جگہ بیٹھ جائیں جہاں سے کھلا آسمان نظر آئے۔ ستارے غور سے دیکھیں۔ پانچ منٹ آنکھیں بند کرکے دیکھیں اور پانچ منٹ کھلی آنکھوں سے دیکھ کر ستارے شمار کریں۔ روزانہ 10 منٹ ستارہ بینی کا عمل 40 روز کریں اور حالات سے مطلع کریں۔ پانچ وقت نماز ادا کریں۔ چھوٹی سورتیں جو آپ کو یاد ہیں ان کا ترجمہ یاد کرلیں۔ نماز میں ان سورتوں کو پڑھتے ہوئے ترجمے پر غور کریں۔

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور اپریل 2020ء

اماں کا نام : ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش : ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ : ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : ..... دستخط : .....

خط و کتابت کا پتہ : .....

..... رابطہ نمبر: .....

نظر کی کم زوری

اسام (ساہیوال): دو بچوں کی نظر مسلسل کم زور ہو رہی ہے۔ خوراک کا خیال رکھتی ہوں مگر ہر سال نمبر بڑھ جاتا ہے۔ بیٹا 19 سال کا ہے، نظر کا نمبر 9 ہو گیا ہے۔ بیٹی کی عمر 14 سال اور نمبر پانچ ہے۔ ہم پریشان ہیں۔

جواب: بازار سے 9 انچ چوڑا اور 12 انچ لمبا شفاف شیشہ خریدیں۔ شیشے سے مراد سادہ شیشہ ہے، آئینہ نہیں۔ شیشہ گہرا نیلا رنگ پینٹ کرا کے ایسی جگہ رکھ دیں جہاں بچوں کی نظر بار بار پڑتی رہے۔ ارادتاً بھی دیکھیں۔ رات کو خاص طور سے پینٹ شدہ شیشے کو دیکھتے دیکھتے سو جائیں۔ عمل تین ماہ کرنا ہے۔ علاج حضور پاکؐ کی سنت ہے۔ ساتھ ساتھ تجربہ کار آنکھوں کے ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

غیر ضروری سوال

ف۔ح (لاہور): ہمیں روحانی کلاس میں بتایا جاتا ہے کہ لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے کہ کون سا بندہ کون سا شعبہ اختیار کرے گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرا شعبہ کیا لکھا ہے۔ اس میں وسعت چاہتا ہوں۔

جواب: آپ کے سوال کا پیرا سائیکالوجی کے ذریعے مسائل کے حل سے کوئی تعلق نہیں۔ علم نجوم کے ماہرین سے رجوع کریں — اگر وہ بتا سکیں تو!

مشورہ ہے کہ غیر ضروری سوالات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے جو کام کریں اور جس شعبے میں تعلیم حاصل کریں، اس میں یک سو ہو کر محنت کریں۔ اللہ علم اور رزق میں برکت و وسعت عطا فرمائے گا، انشاءاللہ۔

خیال میں تصرف: انتہا تک پہنچنے کے لئے ابتدا ضروری ہے اور ابتدائی دور میں داخل ہونے کے لئے متوجہ ہونا ضروری ہے۔ متوجہ ہونے کا تقاضا ہے کہ متعلقہ چیز میں دلچسپی، انہماک اور ارتکاز ہو۔ ارتکاز کا آسان طریقہ اندر میں یکسو ہونا ہے جس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے مراقبہ سے محض قوتِ متخیلہ متحرک ہوتی ہے۔ قوتِ متخیلہ کو وہ خیالی عمل فرض کرتے ہیں یعنی چیزیں حادثاتی اور اتفاقی طور پر سامنے آ گئیں۔ سوال یہ ہے کہ خیال کی طاقت ہر فرد میں پہلے سے متحرک ہے جس کے بل پر وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا ہے۔ کون سی ایجاد خیال کے بغیر ہوئی ہے — ؟ ایک مثال بتا دیں۔ اگر چیزیں اتفاقی طور پر سامنے آتی ہیں تو آدمی فرشتہ کیوں نہیں دیکھ لیتا، اپنی روح اس کے سامنے کیوں نہیں آتی — ؟ یہاں کوئی شے اتفاق نہیں۔ نتیجے کی بساط عمل ہے۔ خیال سب کے پاس ہے — اپنے اندر یکسو ہونے والا دراصل خیال میں تصرف کرنا سیکھ لیتا ہے۔ اور جو شخص اندر کے دریا میں اترنا نہیں چاہتا وہ اصل کو پہچاننے کی اپنی سکت سے لاعلم رہتا ہے۔

نادیہ افتخار حسین

میں جاگ گیا ہوں ـــ تم سو رہے ہو

فرمایا بدھا صاحب نے.....

★ دنیا کی حقیقت چنگاری کی سی ہے جو دو پتھروں کو رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔

★ فانی دنیا میں ایک حقیقت ایسی ہے جس سے ابدی سکون حاصل ہوتا ہے۔

★ علم کی کوئی حد نہیں۔ جو جانتے ہو ہمیشہ اس سے آگے کی تلاش میں رہو۔

★ زندگی کو ان باتوں میں کیوں گزارتے ہو جن کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ـــ؟

★ گلاس مت بنو ـــ جھیل بن جاؤ۔

★ ہر شخص کو عرفان حاصل ہے، اسے ادراک نہیں۔

★ غصے کی کیفیت خود غصے کی سزا ہے۔

★ چاہے جتنے مقدس الفاظ پڑھ لو اور بولو لیکن کیا فائدہ جب ان پر عمل نہ کرو۔

★ میرے جانے کے بعد میری تعلیمات اور اصول وقواعد تمہارے مرشد ہیں۔

★ دکھ ـــ دوری اور سکھ ـــ قربت ہے۔

★ دنیا اندھی ہے، چند لوگ بینا ہیں۔

★ تم بیدار رہتے ہوئے سو رہے ہو۔

''آدمی کی زندگی دکھ، غم، فساد اور بے چینی سے بھری ہوئی ہے۔ سب دکھوں کا باعث حرص اور لالچ ہے۔ نجات کا راستہ عرفانِ ذات ہے۔'' (گوتم بدھ)

رب العزت اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر معاشرے میں اپنے انعام یافتہ انسان دوست بندوں کے ذریعے لوگوں تک سچ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ سچ ہمیشہ سے ایک، اور جھوٹ ہزاروں ہیں۔ ہزاروں سال پہلے کا سچ اور آج کا سچ ایک ہے ـــ جھوٹ مسلسل تغیر کا شکار ہے۔ دنیا کی تاریکی میں جس نے سچ کو تلاش کرنے کا ارادہ کیا، اس نے سچ کو پالیا۔

نیپال کے جنوب میں کپل وستو نامی ضلع آباد ہے جس کے شمال میں ہمالیہ کے فلک بوس پہاڑ ہیں۔ گوتم بدھا ''کپل وستو'' کے راجا کے بیٹے تھے۔

480 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔

بتایا جاتا ہے کہ گوتم ان کا قبائلی نام اور سدھارتھ ذاتی نام تھا۔ سدھارتھ کے معنی ہیں ـــ وہ جس نے وجود کو جان لیا۔ نروان (معرفت) عطا ہونے کے بعد خاص وعام میں گوتم بدھ کے نام سے معروف ہوئے۔

بدھ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اس شخص

کے ہیں جو غفلت سے جاگ چکا ہو، روشن ذہن اور اہلِ بصیرت ہو۔

معاشرتی رواج کے مطابق کم عمری میں دھوم دھام سے شادی کردی گئی لیکن سدھارتھ کے اندر کی بے کلی برقرار رہی۔ اردگرد لوگوں کا جائزہ لیا، اپنے اندر باہر غور کیا اور مسلسل تفکر سے عقدہ کھلا کہ لوگ تکلیف اور مصیبت میں ہیں۔ حتیٰ کہ اہلِ ثروت بھی مایوس اور ناخوش ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ مایوسی اور ناخوشی سے کیسے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے،

''اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ کچھ بھی ابدی نہیں۔ یہ زندگی اس چنگاری کی طرح ہے جو دو پتھر ٹکرانے سے لمحہ بھر کے لئے روشن ہوکر معدوم ہوجاتی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ زندگی کہاں سے آئی اور کہاں چلی گئی۔ زندگی کی تخلیق اور فنا کی حقیقت سمجھنے میں بڑے بڑے داناؤں کی عقل جواب دے جاتی ہے لیکن — فانی دنیا کے درمیان میں یقیناً کوئی ابدی برکت اور نعمت ایسی ضرور ہے جسے پاکر انسان پُرسکون ہوجاتا ہے۔ اگر وہ مجھے حاصل ہوجائے تو میں خود بھی نجات پاؤں گا اور سب کو آزادی کا راستہ دکھا سکوں گا۔''

جواب کی تلاش میں بدھا صاحب نے 29 برس کی عمر میں شاہی محل چھوڑ کر ''سچ'' تلاش کرنے کا ارادہ کیا اور سفر پر نکلے۔ پُرآسائش زندگی چھوڑنے کی پروا نہیں تھی کیوں کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ سکون کا تعلق مال و زر اور محل سے نہیں ہے۔

سفر میں کچھ لوگ ملے، بدھا صاحب ان کے ساتھ ہولئے۔ جسمانی ریاضت اور کٹھن مشقتوں کے باوجود ان پر رازِ حق نہ کھلا۔ انہوں نے ان لوگوں کی ہم نشینی کو خیرباد کہا اور اپنا راستہ لیا۔

کئی سال بیتے۔ سفر کے دوران ایک مقام پر املی کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ عرصے بعد نروان (عرفان) حاصل ہوا۔ روح کے عرفان کے بعد گلی گلی، قریہ قریہ اور شہر شہر گھوم کر آخری عمر تک لوگوں کو ''حق'' کی دعوت دی۔

بدھا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر رازِ حیات جاننے کے لئے منطق کی راہ نمائی میں چلوگے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا — اس کی تعلیم دانا حکیم دے سکتا ہے۔

حکیم سے مراد صاحبِ بصیرت شخص ہے۔

گوتم بدھا صاحب کے عقیدت مندوں نے ان کی تعلیمات کو ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

★ تین کائناتی اصول تغیر، میں کی نفی اور کرما ہیں۔

بدھا صاحب فرماتے ہیں کہ کائنات مسلسل تغیر پذیر ہے۔ یہاں کچھ بھی مستقل اور دائمی نہیں۔ حتیٰ کہ آدمی بھی جذباتی، جسمانی اور ذہنی طور پر مسلسل تغیر سے گزر رہا ہے۔ چند گھڑی پہلے کا شخص وہ نہیں رہتا جو چند گھڑیاں بعد میں نظر آتا ہے۔ ''میں'' تمام مشکلات کی بنیاد ہے اور عمل کے نتائج (کرما) ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال کے اچھے نتائج، برے اعمال کے نتائج برے ہیں۔

★ چار بنیادی سچ کی بابت فرماتے ہیں:

۱۔ آدمی تکلیف میں ہے۔
۲۔ تکلیف کی وجہ ہے۔
۳۔ وجہ دور کی جاسکتی ہے۔
۴۔ دور کرنے کا راستہ بھی موجود ہے۔

★ بدھا صاحب کے آٹھ راہ نما اصول یہ ہیں:

۱۔ راسخ سمجھ ۲۔ راسخ سوچ
۳۔ راسخ کلام ۴۔ راسخ عمل
۵۔ راسخ بودوباش ۶۔ راسخ کوشش
۷۔ راسخ خودآگاہی ۸۔ راسخ ارتکازِ توجہ

بدھا صاحب کے مطابق طبیب وہ ہے جو پہلے بیماری کی تشخیص، پھر اسباب کی نشان دہی کرتا ہے اور ان اسباب کو دور کرنے کے لئے علاج تجویز کرتا ہے۔ تکالیف کی وجہ روح سے دوری ہے اور اس کا سبب خواہشاتِ نفس ہیں یعنی خودغرضی۔ بیماری کی دوا آٹھ راہ نما اصول ہیں جن پر عمل کرنے سے شفا ملتی ہے۔

گوتم بدھا صاحب کی تعلیمات اس دور میں رائج عقائد اور رسومات سے متصادم تھیں۔ ایک حلقے نے سخت مخالفت کی کیوں کہ انہیں ذات پات سے ماورا برابری کا نظریہ ایک آنکھ نہ بھایا۔

ایک دفعہ بدھا صاحب اپنے بھکشوؤں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک شخص وہاں آیا اور بحث شروع کردی پھر نازیبا حرکت کی۔ یہ دیکھ کر ان کے خاص عقیدت مند نندا کو طیش آیا اور وہ اس کی طرف بڑھا۔

بدھا صاحب نے اشارے سے روک دیا۔

نندا نے جلال کی کیفیت میں استادِ محترم کو اجازت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا، یہ تو حد ہوگئی۔ اجازت دیں کہ میں اس بدبخت کو گستاخی کی سزا دوں۔

بدھا صاحب نے نندا کو بیٹھنے کو کہا اور اس شخص سے مخاطب ہوئے،

''اے خود کو برتر سمجھنے والے! تو نے گستاخی کر کے ایسے حالات پیدا کئے کہ میں جان سکوں میرے اندر اب بھی غصہ موجود ہے یا نہیں۔ آیا میری انا زخمی ناگ کی طرح بل میں چھپی بیٹھی ہے یا ختم ہوگئی ہے۔ میں نے من میں جھانک کر دیکھا ــــ غصہ نظر نہیں آیا۔ تیرا شکریہ تو نے مجھے جاننے کا موقع مہیا کیا کہ میں راستے پر ہوں، بھٹکا ہوا نہیں ہوں۔ جب کبھی گستاخی کا من چاہے، یہاں آجانا۔''

وہ شخص تعجب کے عالم میں بدھا صاحب کا پُرسکون چہرہ اور مشکور نگاہیں دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیسا آدمی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک جنگجو قوم کا شہزادہ اور تلوار کا دھنی ہے۔ میں اس وقت یہاں اکیلا ہوں اور اس کے ساتھی اس کے پاس ہیں۔ اگر یہ مجھے مار کر یہاں پھینک دے، کسی کو خبر نہیں ہوگی لیکن حیرت ہے کہ مجھے زک پہنچانے کے بجائے یہ میرا مشکور ہے۔

وہ شرمندہ ہو کر وہاں سے لوٹ آیا۔

ضمیر کی خلش کے سبب اگلے تین دن نیند نہیں آئی۔

آنکھیں بند کرتا، نگاہوں کے سامنے بدھا صاحب کا چہرہ آجاتا۔ خود سے بیزاری ہوئی۔

معافی مانگنے کا فیصلہ کیا۔

اگلے دن ناشتا کئے بغیر بدھا صاحب کی طرف گیا اور جاتے ہی قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگی۔ انہوں نے اسے گلے سے لگایا اور فرمایا،

''اے دوست! میں تجھے معاف اس وقت کرتا، جب مجھے تجھ پر غصہ آیا ہوتا۔ میں تیرا مشکور ہوں کہ تو نے مجھ پر تھوک کر مجھے اپنے اندر دیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ کیوں گزری ہوئی بات کو لے کر پریشان ہے۔ اگر معافی مانگنی ہے، نندا سے مانگ۔ اسے تجھ پر غصہ تھا۔ اس کی انا کو تسکین ملے گی۔''

نندا بہت شرمندہ ہوا جب کہ جو شخص معافی مانگنے آیا تھا، اس کی آنکھیں برستے بادل بن گئیں۔

زمین پر پتّے بکھرے ہوئے تھے۔ گوتم بدھا نے چند پتّے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھے اور نندا سے پوچھا، کیا زمین پر ان پتّوں کے علاوہ اور پتّے ہیں؟

نندا نے عرض کیا، خزاں کا موسم ہے، آج کل ہر جگہ اور ہر طرف بے شمار پتّے گر رہے ہیں۔

اس پر انہوں نے فرمایا، میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے، وہ حقیقتِ کلّی کا محض حقیر ترین حصہ ہے۔ سچائیاں انہی پتّوں کی طرح لاتعداد ہیں جن کا شمار لاشمار ہے لہٰذا جو علم حاصل ہے، اس پر غرور نہ کرنا۔ جو جانتے ہو، ہمیشہ اس سے آگے کی تلاش میں رہنا۔

گوتم بدھا صاحب نے ایک بار نندا سے پوچھا، روح جسم میں داخل نہ ہو کیا فرد کی انفرادیت قائم رہے گی؟ نام اور روپ کا وجود ہوگا؟ نندا کا جواب ''نہ'' تھا۔

فرمایا، اگر روح جسم میں داخل ہو کر نکل آئے ایسی صورت میں نام اور روپ ہوگا؟ عرض کیا نہیں۔

پھر پوچھا، اگر روح کو نام اور مادی جسم میسر نہ آئے کیا پیدائش، بڑھاپا اور موت دنیا میں ظاہر ہوں گے؟

نندا نے نفی میں جواب دیا۔

فرمایا، جان لو! جسم روح کی وجہ سے ہے۔

روایت ہے کہ بدھا صاحب برسات کے موسم کے بعد بان گنگا کے دوسری طرف باغ میں شاگردوں کے ہمراہ ٹھہرتے تھے۔ بان گنگا چھوٹی ندی تھی جو اس دور میں برف پوش پہاڑ کے دامن سے نکل کر تقریباً پندرہ کوس فاصلہ طے کر کے شہر وستو کے مغربی حصے کو سیراب کرتی ہوئی جنوب کی سمت بہتی تھی۔

ایک بار یہاں دو خاندانوں میں زمین اور پینے کے پانی کے معاملے پر تنازع ہو گیا۔ بدھا صاحب وہاں پہنچے اور دونوں فریقین سے دریافت کیا۔

کیا یہ زمین قیمتی ہے—؟

لوگوں نے کہا، نہیں! اس کے دام زیادہ نہیں ہیں۔

تو کیا یہ پانی انمول ہے—؟

لوگوں نے جواب دیا، ہرگز نہیں۔

اور تمہاری زندگی، کیا وہ قیمتی ہے — ؟
سب نے بیک آواز کہا، کیوں نہیں! اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔

بدھا صاحب نے انہیں سمجھایا،
"جس چیز کو تم قیمتی خیال کرتے ہو اسے کیوں ایسی چیزوں کے جھگڑے میں برباد کرنا چاہتے ہو جن کی تمہارے نزدیک کوئی قیمت اور وقعت نہیں۔ فانی زمین اور پانی کے لئے دھرتی کے سینے پر اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے پر تیار بیٹھے ہو؟ تباہی اور بربادی کے راستے پر کیوں چلتے ہو؟ اس راہ سے نکل کر زندگی کے راستے کی طرف آؤ۔ لڑائی سب کے لئے نقصان دہ اور امن سب کے لئے بہتر ہے۔"

بدھا صاحب لوگوں پر نہایت شفقت فرماتے۔
ایک روز وبائی مرض میں مبتلا شخص کو دیکھا جو تنہا بیماری سے لڑ رہا تھا۔ اسے گرم پانی سے نہلایا، کپڑے تبدیل کئے اور جب تک وہ زندہ رہا، ایک عقیدت مند کو اس کی تیمارداری پر مامور کیا۔

ایک نوجوان ملنے آیا۔ عرض کیا، میں زندگی سے بہت بیزار ہوں۔ پریشانی سے نکلنے کا طریقہ بتائیں۔
فرمایا، ایک گلاس پانی میں ایک مٹھی نمک ڈالو اور پیو۔ نوجوان نے ایسا ہی کیا۔
پوچھا، اس کا ذائقہ کیسا لگا؟
نوجوان بولا، بہت خراب، کھارا۔

بدھا صاحب نے فرمایا، اب ایک مٹھی نمک لو اور میرے پیچھے آؤ۔ وہ تھوڑی دور جا کر جھیل کے سامنے رک گئے اور فرمایا، نمک پانی میں ڈال دو۔
نوجوان نے عمل کیا۔
فرمایا، اب جھیل کا پانی پیو۔
نوجوان پانی پینے لگا۔
انہوں نے پوچھا، بتاؤ اس کا ذائقہ کیسا ہے؟ کیا اب بھی تمہیں پہلے کی طرح پانی کھارا لگ رہا ہے؟
نوجوان بولا، نہیں! پانی میٹھا ہے، بہت میٹھا!
نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا،
"زندگی کے دکھ نمک کی طرح ہیں، نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ زندگی میں دکھ کی مقدار وہی رہتی ہے، بالکل وہی جو تم نے مٹھی میں لی۔ لیکن ہم دکھ کا کتنا ذائقہ لیتے ہیں، یہ اس پر منحصر ہے کہ ہم اسے گلاس میں ڈال رہے ہیں یا جھیل میں۔ اس لئے جب تم دکھی ہو تو صرف اتنا کر سکتے ہو کہ خود کو بڑا کر لو، گلاس مت بنو، جھیل بن جاؤ۔"

گوتم بدھا صاحب فرماتے ہیں،
"جس لمحے مجھے عرفان حاصل ہوا، میں حیران رہ گیا کہ ہر شخص کو عرفان حاصل ہے، بس لوگوں کو اس کا ادراک نہیں ہے۔ عرفان ان کے اندر ہے، وہ اپنے اندر نہیں دیکھتے۔ دنیا اندھی ہے۔ چند لوگ بینا ہیں۔ جیسے کوئی پرندہ پنجرے سے آزاد ہو جائے ویسے ہی چند لوگ حقیقی مقام تک پہنچتے ہیں۔"

گوتم بدھا صاحب اچھی باتیں کرنے والے بے عمل لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے،

''چاہے جتنے مقدس الفاظ پڑھو، چاہے جتنے مقدس الفاظ بولو، کیا فائدہ اگر عمل نہ کرو۔''

ہمارے حالات ـــ ہمارے خیالات کا نتیجہ ہیں۔ کوئی شخص منفی سوچتا یا بولتا ہے، مصیبتیں سائے کی طرح پیچھا کرتی ہیں۔ کوئی شخص مثبت سوچتا اور عمل کرتا ہے، خوشی سائے کی طرح ساتھ رہتی ہے۔

جناب گوتم بدھا سے کسی نے پوچھا، مجھے غصہ بہت آتا ہے۔ ڈر ہے اس عادت پر سزا ملے گی۔ کیا کروں؟

انہوں نے فرمایا، تمہیں غصے پر سزا نہیں دی جائے گی ـــ غصہ از خود تمہاری سزا ہے۔

بدھا صاحب کے آخری ایام نزدیک آئے تو خاص شاگرد نندا کو آگاہ کیا۔ وہ بے ساختہ رونے لگا۔

انہوں نے زار و قطار روتے دیکھ کر فرمایا،

''نندا بس! غمگین اور دل آزردہ مت ہو۔ کیا میں نے تم کو بارہا نہیں بتایا کہ جو کچھ ہمیں محبوب ہوتا ہے، اس سے جدائی ضروری ہوتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شے وجود میں آ گئی، مجسم ہو گئی، اس کا ختم ہونا طے ہو اور وہ ختم نہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں۔ میرے جانے کے بعد شاید تم میں سے کچھ شاگردوں کو خیال آئے کہ ہمارا مرشد نہیں رہا لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں رخصت ہو جاؤں تو میرے نظریات، تعلیمات اور اصول و قواعد تمہارے مرشد ہیں۔''

گوتم بدھا صاحب کی تعلیم یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو آدمی کو اپنی اصل سے دور کر دے، دکھ کا سبب ہے۔

اپنے آخری درس میں فرماتے ہیں،

''میرے عزیزو! میں دکھ (دوری) اٹھا کر حیات کا رمزِ آخریں سمجھ گیا ہوں۔ اس دنیا میں ہر چیز دکھ (دوری) ہے۔ مٹی کا وجود دکھ ہے۔ وجود کی نمود دکھ ہے۔ حیات دکھ ہے۔ ممات دکھ ہے۔ ساری کائنات دکھ ہے۔ شعور کیا ہے؟ اک التزامِ وجود ہے اور وجود کا التزام دکھ ہے۔ جدائی دکھ ہے۔ ملنے والے جدائی کی اس رات میں ملے ہیں جو رات دکھ ہے۔ زندہ رہنے کا، باقی رہنے کا شوق دکھ ہے۔ جہاں دکھ ہے وہاں دوری ہے، جہاں سکھ ہے وہاں قربت ہے۔''

تمام مذاہب نے تعلیم دی ہے کہ کون سا عمل فائدہ مند اور کون سا نقصان دہ ہے۔ یہ جاننے کے باوجود آدمی صحیح عمل اپنانے میں حجت سے کام لیتا ہے۔ اور جو لوگ جاننے کے بعد عمل کے راستے سے گزرتے ہیں، انہیں عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔

بدھا صاحب فرماتے ہیں،

''میں جانتا ہوں جو جاننا چاہئے۔ میں بو چکا ہوں جو بونا چاہئے۔ میں ترک کر چکا ہوں جو ترک کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ میں جاگ چکا ہوں۔''

کسی نے پوچھا کہ آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟

بدھا صاحب نے فرمایا، میں جاگ گیا ہوں اور تم بیدار رہتے ہوئے سو رہے ہو۔

نفیسہ شاکر

دانائی

لشکر پہاڑی علاقے میں پہنچا جہاں ایک مکتب میں باطنی علوم کی تعلیم دی جاری تھی۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز گونجی تو شاگرد جان کے خوف سے مکتب چھوڑ کر بھاگے — استاد (صاحبِ فہم) اپنی جگہ سے نہیں ہلے، مراقبہ کی نشست میں پُرسکون بیٹھے رہے۔

نوبل انعام ملنے پر ایک ادیب سے صحافی نے پوچھا، آپ نے اس اعزاز کی توقع کی تھی؟

ادیب نے کہا، میرے لئے یہ غیر متوقع ہے۔

دس منٹ بعد دوسرے صحافی نے یہی سوال کیا۔

اس دفعہ ادیب نے جواب دیا، آدمی کتنی دیر حیرت میں رہ سکتا ہے —؟

ادیب کے جواب میں عادت و مطابقت کا فنّی پہلو مخفی ہے۔ حیرانی کتنی دیر برقرار رہ سکتی ہے —؟ پہلی مرتبہ، دوسری مرتبہ — تیسری مرتبہ وہ شے حیران نہیں کرتی۔ حیرت کی بازگشت سے اعصابی نظام میں تحریک یا ہلچل کم ہو جاتی ہے کیوں کہ تکرار حیرت کو فرد سے مانوس کر کے قبولیت اور برداشت کی سکت پیدا کرتی ہے۔

خوشی کی خبر پہلی مرتبہ سننے پر فرد پھولے نہیں سماتا، چہرہ گلنار ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کوئی اور وہی خبر دیتا ہے، ابتدائی ردِعمل کے مقابلے میں فرد کے جذبات کسی حد تک قابو میں ہوتے ہیں۔ جتنی مرتبہ خبر دہرائی جاتی ہے، ٹھہراؤ کا وقفہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ ایک وقفے کے بعد ہلچل پیدا نہیں ہوتی۔ پہلے فرد غیر مانوس تھا، مانوس ہوا — اب وہ عمل اس کے لئے غیر متوقع نہیں۔ محرک سے شناسائی ہوئی، دباؤ جذب کرنے کی سکت بڑھی یہاں تک کہ دباؤ محسوس نہیں ہوا۔ اب اگر عمل میں شدت (توانائی) بڑھا دی جائے پھر دباؤ محسوس ہوتا ہے اور — کچھ وقفے کے بعد نہیں ہوتا۔

کوئی ایسی چیز یا بات جو جسم میں سنسناہٹ پیدا کرے، آیا وہ فرد کے لئے نئی ہے یا فرد نامانوس ہے، دباؤ کا سبب ہوتی ہے۔ دباؤ دراصل اعصابی نظام کو اشارہ دیتا ہے کہ شعور میں نئی بات داخل ہوئی ہے، اس سے مطابقت پیدا کرو۔

مطابقت اور انسیت سے طبیعت شے کی عادی ہوتی ہے۔ یہ اصول ہمہ جہت مقبول ہے۔ بڑے بڑے کام لئے جا سکتے ہیں۔ بالخصوص خوف اور اضطراب

(anxiety) دور کرنے میں مطابقت کا اصول بہت فائدہ مند ہے۔

جسم رگوں کا جال ہے۔ رگوں کا نیٹ ورک دماغ سمجھا جاتا ہے۔ مرض پہلے دماغ یا اعصابی نظام پر حملہ آور ہوتا ہے۔ دماغ کی جس رگ میں مرض کی تحریک پیدا ہوتی ہے، جسم میں اس رگ سے متعلق عضو اطلاع قبول کر کے بیمار ہو جاتا ہے۔

اعصابی نظام میں تحریک سے پیدا ہونے والا ارتعاش دراصل ناواقفیت کا اضطراب ہے جو سکون میں ڈھلتا ہے یا بے سکونی بن جاتا ہے۔

۱۔ پہلے مرحلے میں حرکت پیدا ہوتی ہے،

۲۔ سنسناہٹ (ارتعاش) میں ظاہر ہوتی ہے،

۳۔ ارتعاش ایسی حس کا ادراک ہے، ذہن جس سے مانوس نہیں۔ قبول کرنے سے مذکورہ حس فرد کی طبیعت کا حصہ بن جاتی ہے۔ بدقسمتی سے زیادہ تر لوگ اضطراری کیفیت سے گریز کر کے خوف و پریشانی کو دعوت دیتے ہیں۔ گریز کی عادت اعصابی نظام سے مطابقت پیدا نہیں ہونے دیتی اور اس امر کو یقینی بناتی ہے کہ ہم جن باتوں، حالات اور لوگوں سے خوف زدہ ہیں، ان کا تصور ہمارے لئے نیا رہے گا — ہر بار سامنا کرنے پر اسی طرح تحریک پیدا ہوگی، جیسے پہلی مرتبہ ہوئی تھی یعنی اضطراب اور خوف کو تقویت ملے گی۔

گریز سے وقت کے ساتھ عدم قبولیت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ دفتر میں لفٹ سے اجتناب کرنے والا سیڑھی سے چڑھنے اترنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے خوف کی توانائی ہر اس عمارت تک پھیل جاتی ہے جس میں لفٹ ہے۔ وہ زحمت کو ترجیح دیتا ہے لیکن لفٹ میں ایک بار سوار ہو کر خوف دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر آدمی یکسو ہے، اسے ڈر نہیں لگے گا۔ یکسوئی نہیں ہے، وہ ڈر میں مبتلا ہو جائے گا۔

خوف گریز کے بجائے خوف دور کرنے سے دور ہوتا ہے۔ اگر آپ اندھیرے سے گھبراتے ہیں تو کچھ دیر اندھیرے میں رہنے کی مشق کریں۔ اسے غور سے دیکھیں، وہ ختم ہو جائے گا۔

اندھیرا کیا ہے — ؟ نظر نہ آنے کا عمل ہے۔ نگاہ دیکھ لے، اندھیرا ختم ہو جاتا ہے۔

انبیائے کرام اور آخری رسول حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ ہر مرحلے پر فرد کی راہ نما ہے۔ حضور پاکؐ نے دین کی تبلیغ شروع کی تو انتہائی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ خاندان کے بعض افراد بھی مخالفین میں شامل تھے۔ رسول اللہؐ ثابت قدم رہے، اللہ کے حکم سے مشن جاری رکھا، لوگوں تک دین حق پہنچا — مخالف زیر ہو گئے۔ ایک موقع پر ام المومنین بی بی خدیجہؓ نے فرمایا کہ کیا آج آپؐ نے بہت رنج اٹھایا ہے؟ حضرت محمدؐ کے ارشاد گرامی میں رنج اور خوف کا سامنا کرنے اور

مطابقت کی سائنس بیان ہے۔ آپؐ نے فرمایا،

''اے خدیجہؓ! جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔''

جس ہستی کے ذہن میں اللہ کا احساس ہو، اسے اور کوئی احساس متاثر نہیں کرتا۔ وہ خوف اور رنج سے دور ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ خوف اور رنج سے بے نیاز ہے۔

تمام انبیائے کرام کی تربیت اس طرح ہوئی کہ وہ خوف سے پاک تھے۔ ابو الانبیا حضرت ابراہیمؑ جس دور میں پیدا ہوئے، بتوں کی پرستش عروج پر تھی۔ ان کے چچا بت تراش تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ماحول کا ذہن قبول نہیں کیا یہاں تک کہ جب لوگ شہر سے باہر تہوار میں مصروف تھے، حضرت ابراہیمؑ نے ہیکل میں جا کر بت توڑ دیئے اور بڑے بت کے کندھے پر ہتھوڑا رکھ کر واپس آ گئے۔ ٹوٹے ہوئے بت دیکھ کر غیظ و غضب اور چیخ و پکار سے ہیکل لرز اٹھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ یہ کام حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بات بادشاہ وقت نمرود تک پہنچی۔ کاہنوں اور درباریوں کی موجودگی میں حضرت ابراہیمؑ کو طلب کیا۔

''حضرت ابراہیمؑ رعب اور وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے اور شاہی پروٹوکول کو نظر انداز کرتے ہوئے نمرود کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل جہاں صاحبِ اقتدار لوگوں اور خود نمرود پر بجلی بن کر گرا، وہیں اس عمل سے عوام الناس کے دلوں میں حضرت ابراہیمؑ کی جرأت اور حوصلے کی دھاک بیٹھ گئی۔ مذہبی پیشواؤں نے پُر رعب آواز میں پوچھا: 'اے ابراہیم! ہمارے بتوں کی توہین کس نے کی ہے؟' حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: 'ہتھوڑا بڑے بت کے کندھے پر ہے، اس سے پوچھو کہ یہ سب کس نے کیا ہے؟' پجاری ندامت اور شرمندگی سے سر جھکا کر بولے: 'ابراہیم! تو خوب جانتا ہے کہ پتھر کی مورتیاں بولتی نہیں ہیں'۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا: 'جب یہ بولتے نہیں، حرکت نہیں کر سکتے، اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو تم ان سے نفع پہنچانے کی امید کیوں رکھتے ہو؟ اور نقصان ہونے کا اندیشہ کیوں کرتے ہو؟ تم پر افسوس ہے کہ تم کائنات کے مالک اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کو پوجتے ہو کیا تم عقل و شعور نہیں رکھتے؟''

(کتاب: محمد رسول اللہؐ، جلد سوم)

عقیدے کے معاملے میں معاشرے کی مخالفت مول لینا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ اعصاب کی جنگ اور اعصاب پر فتح ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی تربیت فرعون کے محل میں رہ کر ہوئی۔ قدرت نے تابوت میں بند بچے کو جس طرح سے محل تک پہنچایا، قارئین خواتین و حضرات واقف ہیں۔ فرعون نے گھر گھر میں نومولود لڑکوں کو قتل کروایا تھا۔ رعایا پر فرعون کی ہیبت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی تربیت کا انتظام فرعون کے محل میں اس طرح فرمایا

کہ انہوں نے فرعون کو قبول کیا نہ بادشاہت کے اثر کو۔

کوئی چیز اپنی حد سے نہیں بڑھتی۔ بڑھ جائے تو ختم ہو جاتی ہے۔ خوف سے نکلنے کا واحد راستہ اس سے گزرنا ہے۔ کلاس میں بات کرنے سے ڈرتے ہیں تو آپ کو کلاس میں بات کرنی ہوگی۔ خوف کا مقابلہ کرنا ابتدا میں مشکل ہوتا ہے، ہاتھ پیر پھولتے ہیں، دھڑکن تیز ہوتی ہے، سانس بے ربط ہو جاتا ہے اور الفاظ زبان پر نہیں آتے۔ سوچیں مسلسل اس طرح کے حالات میں رہنا بہتر ہے یا ان سے گزر جانا؟ مرزا غالبؔ کہتے ہیں،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

خوگر ہونا گریز سے بہتر ہے۔ یہ خوف کا تریاق ہے۔ جب اعصابی نظام خوف کی سنسناہٹ سے مانوس ہوتا ہے تو ہلچل کم سے کم ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ پیچھے ہٹنے کے بجائے سامنے آنے سے حالات سے نمٹنے کی اہلیت بڑھتی ہے۔ فرد کہتا ہے کہ میں نے کل یہ کام کیا، آج بھی کر سکتا ہوں۔ میں برداشت کر سکتا ہوں، یہ مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں کیوں کہ دنیا اس موڑ پر ختم نہیں ہوتی۔

خوف تخیلاتی کیفیت ہے جو بڑھا چڑھا کر واقعات کی منظر کشی کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم واقعات سے خوف زدہ کیوں ہو جاتے ہیں؟ نئی چیز یا محرک پر جسم میں محسوس ہونے والا ارتعاش اپنی جگہ لیکن یہ ارتعاش خوف کیوں بنتا ہے؟ سکون میں تبدیل کیوں نہیں ہوتا؟ جس مقام سے اطلاع آئی ہے، وہاں سکون ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

''سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس: ۶۲)

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو خوف نہیں ہوتا کیوں کہ وہ اللہ سے قریب ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ ان کے برعکس ہمیں معاشرے میں مقام، دولت، رشتوں کے چھن جانے اور بے عزتی کا خوف ہے۔

خوف کی تخلیق ''میں'' کے خمیر سے ہوتی ہے جس کو انا کہتے ہیں۔ آدمی کی ''میں'' سب سے بڑا فریب ہے۔ زندگی کے سارے لوازمات اور خود فرد غیب سے آتا ہے اور غیب میں چلا جاتا ہے۔ باجود یکہ ہم جانتے ہیں ایک روز یہاں سے جانا ہے، جانتے بوجھتے خود فریبی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔

ہم عدم تحفظ سے دوچار ہیں۔ مالی اثاثے جمع کرنے میں تحفظ محسوس کرتے ہیں۔ یہ سب وسوسہ ہے جو پہلے بتاتا ہے کہ چیزیں ہماری ہیں، پھر ان کے کھونے کا احساس دلاتا ہے۔ جب ہم پائیدار نہیں، ہمارے استعمال میں چیزیں کیسے پائیدار ہو سکتی ہیں؟ یہ بھی ہماری طرح پیدا ہوتی ہیں اور بکھرتی ہیں۔ جن وسائل سے محروم ہونے کا خوف ہے، کیا ہم انہیں ساتھ لائے تھے؟ وہ ہمارے آنے سے پہلے دنیا میں موجود تھے، اور ہمارے جانے کے بعد بھی موجود رہیں گے۔

وسوسہ آئے تو اپنی فطرت ''یقین'' کی طرف لوٹیں۔ وسوسہ آنے سے پہلے کی کیفیت ہماری اصل ہے۔

خوف اس لمحے پیدا ہوتا ہے جب ہم سوچتے ہیں کہ کیا ہوگا— ؟ حالاں کہ یہ مستقبل سے متعلق سوال ہے جو ابھی نہیں آیا اور کبھی نہیں آئے گا کیوں کہ جو چیز ملتی ہے، حال میں ملتی ہے۔

ملکیت کا احساس اور خوف کا سبب یہ ہے کہ ہم اللہ سے واقف نہیں ہیں۔ انبیائے کرام اور اولیاء اللہ— اللہ کو پہچانتے ہیں۔ وہ کسی چیز کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتے اس لئے ہر شے ان کے لئے سکون بن جاتی ہے۔

روحانی استاد نے شاگردوں کو واقعہ سنایا۔

سپاہیوں کا لشکر جس راستے سے گزرا، تباہی پھیلاتا ہوا آگے بڑھا۔ سپاہی جس بستی، گاؤں اور شہر سے گزرتے، لوگ گھوڑوں کی ٹاپیں سن کر خوف سے غائب ہوجاتے۔

لشکر پہاڑی علاقے میں پہنچا جہاں ایک مکتب میں باطنی علوم کی تعلیم دی جاری تھی۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز گونجی تو شاگرد جان کے خوف سے مکتب چھوڑ کر بھاگے— استاد (صاحبِ فہم) اپنی جگہ سے نہیں ہلے، مراقبہ کی نشست میں پُرسکون بیٹھے رہے۔

لشکر سر پر آپہنچا۔ کچھ سپاہی سردار کے ہمراہ مکتب میں داخل ہوئے اور توڑ پھوڑ کی لیکن صاحبِ فہم کی نشست جوں کی توں رہی۔ سپاہیوں کو طاقت پر گھمنڈ تھا، ضرب پڑی کہ یہ ہم سے کیوں نہیں ڈرا— ؟ ان کے سردار نے میان سے تلوار نکالی، آگے بڑھا اور گرج دار آواز میں پوچھا، جانتے ہو میں کون ہوں— ؟

صاحبِ فہم نے آنکھ کھولی اور سردار پر ایک نظر ڈال کر بند کردی۔ سردار کو غصہ آیا۔ اس بار لہجے میں غضب پہلے سے زیادہ تھا۔ جانتے ہو میں وہ شخص ہوں جو پلک جھپکنے سے پہلے تمہارا سر تن سے جدا کرسکتا ہے— ؟

صاحبِ فہم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا، اور جانتے ہو، میں وہ شخص ہوں جو پلک جھپکنے سے پہلے اپنی گردن اڑانے کے لئے تیار ہے۔

واقعہ سنا کر روحانی استاد نے پوچھا، بتاؤ کیا سمجھے؟

شاگردوں نے کہا، موت سر پر ہو تو آدمی کے پاس دو ممکنات ہیں۔ لڑے یا ہتھیار ڈال دے۔ وہ لڑ نہیں سکتے تھے اس لئے ہتھیار ڈال دیئے۔

روحانی استاد نے پوچھا، کوئی اور بتائے؟

ایک شاگرد بولا، انہیں زندگی اور موت کی پروا نہیں تھی کیوں کہ ان کے نزدیک اس دنیا کی اہمیت نہیں تھی۔

روحانی استاد نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا، ''ان کو روحانی بصیرت حاصل تھی، وہ صاحبِ مشاہدہ تھے۔ زندگی اور موت میں فرق نہیں سمجھتے تھے، ان کے لئے دونوں ایک تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ حیات بقا کے لئے جسم کی تابع نہیں ہے اس لئے جسم کھو جانے کے خوف سے بے نیاز تھے۔''

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

حماد علی شاہ

حساب جوں کا توں
کنبہ ڈوبا کیوں

قاضی صاحب نے تیلی سے پوچھا، تم لوگ بیل کے گلے میں گھنٹی کیوں باندھتے ہو؟ تیلی بولا، جب ہم بیل کے آس پاس نہیں ہوتے تو گھنٹی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیل کام کر رہا ہے۔

آنکھ کے آگے ناک، سوجھے کیا خاک! کہاوت سنی ہوگی۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک نکٹے نے شہر میں خبر عام کر دی کہ ناک نہ ہونے کے سبب مجھے دیدارِ حق حاصل ہے۔ لوگ پوچھتے کہ ناک کا دیدار سے کیا تعلق؟ دیدار تو آنکھ سے ہوتا ہے۔

جواب میں وہ کہتا — آنکھ کے آگے ناک، سوجھے کیا خاک! ناک کے سبب تم اللہ سے دور ہو۔ یہ کاٹ دی تو معرفت مل جائے گی۔ ناواقف لوگوں نے ناک کٹوانا شروع کی لیکن کسی کو دیدار نہیں ہوا۔ اس طرح نکٹوں کی تعداد بڑھ گئی۔

کہاوت ''انا'' کی طرف اشارہ ہے۔ آنکھ پر ''میں'' کا پردہ ہونے سے اپنے علاوہ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا شخص خود کو ہر بات میں مقدّم رکھتا ہے اس لئے حقیقت آشنا نہیں ہوتا۔ ناک نہ ہونا استعارہ ہے۔ لوگ سمجھے نہیں اور چہرے پر لگی ناک کاٹنا شروع کر دی مگر انا ختم نہیں کی۔ بتایئے جس نے خود کو نہیں چھوڑا وہ حق کو کیسے پا سکتا ہے؟

کہاوت کو عربی میں ضرب المثل کہتے ہیں۔ کوئی فقرہ جو اصول، حقیقت یا رویے کو جامع طور پر چند الفاظ میں بیان کرے اور عوام و خواص اسے ترجمانی کے لئے استعمال کریں، کہاوت کہلاتا ہے۔ افادیت و معنویت ہر زمانے میں عام و خاص نے تسلیم کی ہے۔ یہ زبان کی چاشنی دوبالا کر کے ادب کو رفعت عطا کرتی ہے۔

عموماً کہاوتوں میں الفاظ کچھ اور معنی کچھ اور ہوتے ہیں۔ ان کا دائرہ وسیع ہے۔ سماجی قدریں، بزرگوں کے اقوال اور ملفوظات، تاریخی واقعات، لوک کہانیاں اور عام و خاص کے معروف جملے جن میں اختصار اور معنویت ہو، کہاوت بن جاتی ہیں۔ تحریر و تقریر میں لطف و وزن پیدا کرنے کی خوبیاں، دانائی کے خزانے، بذلہ سنجی کے جواہر اور تجربات کے قیمتی گوہر کہاوت میں ہیں۔ لسانیات میں کہاوت کی اہمیت کے پیشِ نظر عربی کے ایک مقولے کا ترجمہ ہے،

''کہاوت کی اہمیت کھانے میں نمک جیسی ہے۔''

قدیم شعرا کے کلام میں جا بجا کہاوتوں اور محاوروں

کی چاشنی ہے۔ چند دہائیوں قبل ان کا استعمال عام تھا، اب کم ہوگیا ہے۔ داغؔ دہلوی کا شعر ہے،

پڑا ہوں سنگِ راہ دوست بن کر کوئے دشمن میں
سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

دال میں کالا ہے کی مثل کو شاعر جرأتؔ قلندر بخش نے شعر کے رنگ میں ڈھالا ہے۔

بال ہیں بکھرے، بینڈ ہیں ٹوٹے، ٹیڑھا کان کا بالا ہے
جرأتؔ ہم پہچان گئے ہیں، دال میں کالا کالا ہے

شیخ ابراہیم ذوقؔ کا شعر ملاحظہ ہو،

دکھانے کو نہیں ہم مضطرب، حالت ہی ایسی ہے
مثل ہے رو رہے ہو کیوں، کہا صورت ہی ایسی ہے

اس طرح شہنشاہ سخن میر تقی میرؔ نے ایک شعر میں پوری کہاوت نظم کر دی ہے۔ کہتے ہیں،

گردش دنوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

فارسی زبان کی مثل گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل، اردو میں بھی بولی جاتی ہے۔ مرزا غالبؔ کے اشعار بیش تر لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ غالبؔ کی مشکل پسندی پر شاعر آغا جان عیشؔ نے یہ قطعہ موزوں کیا۔

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے، اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میرؔ سمجھے اور زبانِ میرزاؔ سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

جواب میں مرزا غالبؔ نے درج ذیل رباعی کہی، جس کا ایک مصرعہ جو فارسی میں تھا، ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل!
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

''گھر کا بیدی لنکا ڈھائے'' کی کہاوت کا تعلق قدیم کہانیوں سے ہے۔ ''ہنوز دلی دور است''، ''کہاں راجا بھوج کہاں گنگوا تیلی''، ''خان خاناں کھانے میں بطانہ''، تاریخی اور نیم تاریخی واقعات ہیں۔

''تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو''، ''دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے''، ان کا سبب خود ساختہ کہانیاں ہیں۔

''گربہ کشتن روز اول''، ''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا''، ''آپ کا نوکر ہوں بینگنوں کا نہیں''، ''انگور کھٹے ہیں'' اور ''وہ پانی بہہ ملتان گیا'' جیسی کہاوتیں سچے واقعات کی بنا پر تخلیق ہوئیں۔

کہاوتوں کی ایک قسم محاورات اور استعارات ہیں۔ جیسے ''لکیر کا فقیر''، ''چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں''، ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے'' وغیرہ۔

کہاوتوں کا استعمال تصدیق و حمایت یا تردید و مخالفت اور دانائی و حکمت کے لئے کیا جاتا ہے البتہ موقع محل کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بعض اوقات بے جا اور بے محل استعمال سے خفت اٹھانی پڑتی ہے۔

1999ء میں ہندوستان کے علاقے رامپور کے ایک کالج میں طلبا نے ضرورت مند افراد کو خون عطیہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس روز گروپ تشکیل دیا گیا، ایک شخص کو خون کی ضرورت پیش آئی۔ خون عطیہ کیا گیا۔ پذیرائی کے لئے طالب علموں نے خبر اخبار کے دفتر میں اس عنوان سے بھیجی ـــ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ قارئین! بتایئے اس کے معنی کیا ہیں ـــ؟

کہاوتیں کتابوں اور بات چیت کے ذریعے سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی ہیں۔ ان کے الفاظ و معانی میں تہذیب و تاریخ کے جو محرکات ملتے ہیں وہ پُر لطف ہیں۔ جیسے جتنی چادر دیکھئے، اتنے پیر پھیلایئے، زبان زد عام ہے۔ اس سے مراد حیثیت کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

پس منظر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے موسم سرما سے پہلے ضرورت مندوں میں تقسیم کے لئے رضائیاں بنوائیں۔

انتظام بیربل کے ذمے تھا۔

رضائیاں اکبر کے سامنے پیش کی گئیں تو اس نے ایک رضائی اوڑھ کر دیکھی۔ لمبائی کم ہونے کی وجہ سے پیر باہر نکل رہے تھے۔

اکبر نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رضائی چھوٹی ہونے سے میرے پیر باہر ہیں۔

بیربل نے برجستگی سے جواب دیا، حضور والا! جتنی چادر دیکھئے، اتنے پیر پھیلایئے۔

تمدن * کے ساتھ زبان میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو اظہار بیان میں رنگینی پیدا ہونے سے شگفتہ شعور نشو ونما پاکر کہاوتیں بن جاتا ہے۔

کہاوتوں میں زندگی کو سمجھنے کے بلیغ اشارے ہیں۔ ادب کی ترقی زندگی کے تجربات پر منحصر ہے۔ ایک کہاوت ہے، ''دستار اور گفتار اپنی ہی کام آتی ہے''۔ اس کے تانے بھی اکبر کے دربار سے ملتے ہیں۔

ملا دو پیازہ اکبر کے نورتنوں میں شامل تھے۔ بقیہ آٹھ رتن اور دربار میں دیگر افراد دو پیازہ کی پگڑی کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ پگڑی باندھنے کے معاملے میں لاپروا تھے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ باندھتے کم، لپیٹتے زیادہ تھے جب کہ دربار میں دوسرے لوگ باقاعدہ پگڑی باندھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

اکبر نے پوچھا کہ سب سلیقے سے پگڑی باندھتے ہیں، تمہاری پگڑی بے ترتیب کیوں ہوتی ہے؟

ملا دو پیازہ کب کسی پر ادھار رکھتے تھے، فوراً بولے، میں پگڑی خود باندھتا ہوں اور یہ لوگ بیگمات سے بندھواتے ہیں، آپ چاہیں تو انہیں اپنے سامنے پگڑی کھول کر باندھنے کا حکم دیں۔

اکبر نے اشارہ کیا، مرتے کیا نہ کرتے، سب نے

---

*تمدن (طرزِ معاشرت)

حکم کی تعمیل کی۔ دو پیازہ کی پگڑی پہلے جیسی تھی لیکن دوسروں کا حال برا تھا۔ اب کی بار ہنسنے کی باری دو پیازہ کی تھی۔ سب منہ بنا کر رہ گئے۔

واقعے سے جملہ منسوب کر دیا گیا کہ دستار اور گفتار اپنی ہی کام آتی ہے۔ یعنی آدمی کسی کے عیب پر نہیں، اپنی خوبیوں پر زندگی بسر کرتا ہے۔

جن کہاوتوں کا پس منظر معلوم نہیں، ان پر باقاعدہ قصہ لکھا گیا ہے۔ چند مثالیں پڑھیں۔

۱۔ میرا بیل منطق نہیں پڑھا:

قاضی صاحب کے سامنے تیلی کے بیل کا مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی صاحب نے تیلی سے پوچھا، تم لوگ بیل کے گلے میں گھنٹی کیوں باندھتے ہو؟

تیلی بولا، جب ہم بیل کے آس پاس نہیں ہوتے تو گھنٹی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیل کام کر رہا ہے۔

قاضی صاحب نے پوچھا، بیل کام نہ کرے اور گردن ہلاتا رہے پھر کیسے پتہ چلے گا کہ بیل کام کر رہا ہے؟

تیلی نے ہنستے ہوئے جواب دیا، قاضی صاحب! میرا بیل منطق نہیں پڑھا۔

قارئین! یہ کہاوت اس وقت کہی جاتی ہے جب کوئی شخص خواہ مخواہ حجت کرے۔

۲۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی:

حلوائی دودھ میں پانی ملاتا تھا۔ ایک روز بندر دکان سے پیسوں کا ڈبا اٹھا کر بھاگا اور قلابازیاں کھاتا ہوا دریا کنارے درخت پر جا بیٹھا۔

حلوائی نے تعاقب کیا اور ہانپتا کانپتا ساحل تک آیا۔ بندر کی منت سماجت کی۔ اسے بہلایا، پھسلایا، مٹھائی دی مگر بندر نیچے آیا نہ پیسوں سے بھرا ڈبا۔

حلوائی تھک گیا مگر بندر نے مزا چکھانے کی ٹھان لی تھی۔ درخت پر سے روپے اور اٹھنیاں دریا میں اور پیسے حلوائی کی طرف پھینکنے شروع کئے۔

حلوائی چیخ پڑا کہ کیا ظلم کرتے ہو۔ پیسے میری طرف اور اٹھنیاں چونیاں دریا میں۔

منظر دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ تماشائیوں میں سے ایک حلوائی کو جانتا تھا۔ وہ بولا، بندر ٹھیک ہی تو کر رہا ہے۔ دودھ کے دام تمہارے پاس پھینک رہا ہے اور پانی کا دام پانی میں ملا رہا ہے۔

تجربات اور معانی کا دریا چند الفاظ میں سمٹ کر کوزہ بننے سے کہاوتیں جنم لیتی ہیں۔ تقریباً ہر کہاوت کسی نہ کسی تہذیب یا واقعاتی پس منظر کی حامل ہے۔ جیسے،

ڈوبے کٹورا، پٹے گھڑیال

یعنی خطا کسی کی، سزا کسی کو۔ سبب زمانۂ قدیم میں گھڑیال بجانے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔

ذکر ہے اس وقت کا جب گھڑی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ لوگ کٹورے سے گھڑی کا کام لیتے تھے۔

کیسے—؟ پڑھتے جائیے۔

جس ڈیوڑھی پر گھڑیال بجتا تھا وہاں پانی سے بھرے

ہوئے کھلے گہرے برتن میں کٹورا رکھتے تھے۔ کٹورے میں چھوٹا سوراخ کیا جاتا تھا، آہستہ آہستہ پانی بھرنے کے سبب ایک گھنٹے میں کٹورا ڈوب جاتا۔ ڈوبنا علامت تھی کہ ایک گھنٹا گزر گیا ہے۔ اعلان ہتھوڑے سے گھڑیال بجا کر کیا جاتا تھا۔ اس سے بڑے بوڑھوں نے مفہوم اخذ کیا کہ کرے کون، بھرے کون۔

بردبار خواتین و حضرات کسی کی مدد اس طریقے پر کرتے ہیں کہ لوگوں میں بات نہ پھیلے۔ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہ ہو۔

شاعر عبدالرحیم خان خاناں نہایت سخی تھے۔ کوشش ہوتی کہ خاموشی سے لوگوں کی مدد کی جائے۔ جب کسی کو کھانا بھجواتے تو کھانے میں اشرفیاں چھپا دیتے تھے۔ بات مشہور ہوگئی اور کہاوت بن گئی کہ خان خاناں کھانے میں بٹا نہ۔

اردو زبان کے معروف ادیب اور شاعر محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں ایک معروف مثل کا پس منظر لکھا ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید خاص حضرت امیر خسروؒ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں پیاس لگی۔ ایک مقام پر کنواں نظر آیا جہاں چار پنہاریاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت امیر خسروؒ نے پانی مانگا۔

ان میں سے ایک انہیں پہچانتی تھی، اس نے ساتھی پنہاریوں کو مطلع کیا۔

ایک پنہاری نے فرط شوق سے پوچھا، تم خسرو ہو جس کے لکھے ہوئے گیت ہم گاتے ہیں، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور انمل سنتے ہیں ــــ؟

انہوں نے فرمایا، میں وہی ہوں۔

پنہاریوں نے کہا، شعر کہو پھر پانی پلائیں گے۔

پہلی بولی، مجھے کھیر کی بات کہو۔

دوسری نے چرخے کا نام لیا۔

تیسری نے کتّے کا ذکر کیا۔

چوتھی نے ڈھول کی فرمائش کی۔

حضرت امیر خسروؒ نے کہا، پیاس سے حلق خشک ہوگیا ہے، پہلے پانی پلاؤ پھر شعر کہتا ہوں۔

خواتین نہیں مانیں۔ بضد رہیں۔

امیر خسروؒ نے فرمائش ان الفاظ میں پوری کی،

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا،

آیا کتّا، کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا،

لا پانی پلا!

اس کے معنی ہیں کہ محنت سے کھیر پکائی، کتّا آیا اور کھا گیا۔ کھیر گئی ــــ افسوس رہ گیا۔

کہاوتوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ پشت پر واقعہ ہے لیکن واقعے کا علم نہیں۔

کسی نابینا سے پوچھا گیا کہ کھیر کھاؤ گے؟

اس نے پوچھا، کھیر کیسی ہوتی ہے ــــ؟

بتایا گیا کہ بگلے کی طرح سفید۔

پوچھا، بگلا کیسا ہوتا ہے ــــ؟

انگلیاں اور ہتھیلی ٹیڑھی کر کے بگلے کی گردن بنائی اور بولا، بگلا ایسا ہوتا ہے۔ اندھے نے ہاتھ ٹٹولتے ہوئے کہا، نہ بابا! بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ گلے میں نہ اٹک جائے، ایسی کھیر میں نہیں کھاتا۔

ٹیڑھی کھیر کے الفاظ پر غور کر کے کہانی قیاس کی گئی ہے۔ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا بھی اسی قبیل کی کہاوت ہے۔ یقیناً کسی کے رقص پر نکتہ چینی کی گئی ہوگی۔ اس نے عیب چھپانے کے لئے جواب دیا ہوگا کہ میں کیا کروں تمہارا آنگن ٹیڑھا ہے۔

ایک اور کہاوت ہے ــــ اندھا گائے بہرا بجائے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں نے اپنی اپنی کہی۔

چور کی داڑھی میں تنکا ــــ ہر چور چوری کرتے ہوئے نشان ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ یہ چور کے ذاتی استعمال کی چیز کی صورت میں کم، اور زیادہ تر انگلیوں کے نشانات کی شکل میں ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص تھوڑا سا علم حاصل کر کے خود کو بہت قابل سمجھے اور اس علم پر عمل کرنے سے نقصان اٹھائے مگر نقصان کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو کہا جاتا ہے کہ حساب جوں کا توں، کنبہ ڈوبا کیوں ــــ؟

شاگرد نے حساب کا علم سیکھنا شروع کیا۔ ایک روز استاد نے اوسط کا قاعدہ بتایا۔ اس نے یاد کر لیا۔

کچھ روز بعد گھر والوں کے ساتھ دریا پار دوسرے گاؤں جانا تھا۔ دریا کنارے پہنچنے پر گھر والوں نے کشتی تلاش کرنی شروع کی۔ شاگرد صاحب اوسط کا قاعدہ پڑھ چکے تھے۔ ملاحوں سے معلوم کیا کہ دریا کناروں اور درمیان سے کتنے فٹ گہرا ہے؟

انہوں نے بتایا دو دو فٹ کناروں سے اور درمیان سے آٹھ فٹ گہرا ہے۔

اس نے دونوں کناروں کی گہرائی (4=2+2) اور درمیان کی گہرائی آٹھ فٹ جمع کر کے 12 کو تین پر تقسیم کیا۔ اوسط گہرائی چار فٹ نکلی۔

اس قاعدے سے دریا کی گہرائی بہت کم تھی اور وہ کشتی کے بغیر پانی میں سے گزر سکتے تھے۔

شاگرد نے گھر والوں کو حساب بتایا کہ کشتی کا کرایہ بچ جائے گا کیوں کہ دریا چار فٹ گہرا ہے۔

گھر والے راضی ہو گئے۔

ملاحوں نے منع کیا کہ دریا کی گہرائی معلوم کرنے کا طریقہ درست نہیں ہے لیکن شاگرد کو اپنے حساب پر یقین تھا۔ دریا میں قدم رکھا، بیچ میں پہنچنے سے پہلے پانی سر تک آ چکا تھا۔ وہ ڈوبنے لگے اور چیخ و پکار کی۔

ملاحوں نے جان بچائی۔

شاگرد صاحب گھر والوں سمیت بخیریت کنارے پر پہنچے۔ دوبارہ حساب کتاب جوڑا ــــ وہی جواب آیا۔

پریشان ہو کر گھر والوں سے بولے، حساب جوں کا توں، کنبہ ڈوبا کیوں ــــ؟

احمد مجتبیٰ

سونے کا ہار ــــ؟

قیمت سن کر لاچارگی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک لاکھ روپے ادا کئے۔ جو زیور مہربانو نے کبھی اپنے لئے نہیں خریدا تھا، آج کسی اور کو دینے کے لئے خریدنا پڑا۔

مہربانو کا حسن پریوں جیسا تھا لیکن پیدا غریب گھر میں ہوئی۔ بڑے گھر میں شادی کی خواہش تھی۔ چوں کہ لوگ صورت کے ساتھ مال و دولت کی تلاش میں رہتے ہیں، رشتے آئے مگر متمول گھرانے میں شادی کی امید ماند پڑ گئی۔ بھلا اس دور میں بڑے گھر سے رشتہ غریب گھر میں کیسے آتا۔ شادی بالآخر چچازاد ساجد سے ہوئی جو نجی ادارے میں کلرک تھا۔

مہربانو کی خواہش تھی کہ گھر میں دیدہ زیب مہمان خانہ ہو جہاں سہیلیوں سے ملاقات اور ان کی ضیافت کرے۔ آرائش کے لئے زیورات اور قیمتی پوشاک ہو۔ دائیں بائیں نوکر چاکر گھومیں اور گھر میں رنگین پھولوں کی چادر اوڑھے باغ ہو جہاں وہ صبح چہل قدمی کرے اور شام کو چائے پیئے۔ جب وہ حالات اور شوہر کی آمدنی دیکھتی، آس ــــ یاس میں تبدیل ہوکر کوفت میں مبتلا کر دیتی اور گزر بسر خیر و عافیت سے ہونے کے باوجود مغموم رہتی۔

مہربانو اور صفیہ اسکول سے اچھی سہیلیاں تھیں۔ صفیہ کے مالی حالات بہتر تھے۔ قسمت نے یاوری کی، والد کی ملازمت میں ترقی ہوئی، صفیہ کا گھر بدلا، اسکول تبدیل ہوا اور دونوں کا ملنا جلنا کم ہوگیا۔ سہیلی کے گھر جاکر کم مائیگی کا احساس بڑھ جاتا اس لئے مہربانو نے فون پر دوستی قائم رکھنے پر اکتفا کیا۔

ساجد نے سنہری لفافہ مہربانو کو دیا۔ یہ کمپنی میں بڑے افسر کی شادی کا کارڈ تھا۔ دعوت نامہ غیر متوقع تھا لہٰذا ساجد کا خیال تھا کہ بیوی خوشی سے پھولے نہ سمائے گی لیکن اس کے تیور بگڑ گئے۔

تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟ لجاجت سے پوچھا۔

کیا میں اس حالت میں جاؤں گی؟ زیورات ہیں نہ ڈھنگ کے کپڑے۔ وہاں امیر عورتیں ہوں گی۔

تو کیا ہوا۔ اچھا جوڑا خرید لانا۔

معلوم ہے کتنے کا آتا ہے؟

ساجد نے کہا، چار ہزار میں آجائے گا۔

چار ہزار میں کون سا اچھا جوڑا آتا ہے، اور زیور کا

کیا کروں گی؟ وہاں بڑے بڑے لوگ آئیں گے۔

طے پایا کہ زیور صفیہ سے ادھار لے کر پہنے گی۔

فون کر کے مدعا بیان کیا، صفیہ نے بخوشی رضامندی ظاہر کی۔ مہربانو برسوں بعد سہیلی کے گھر گئی۔

صفیہ نے زیورات کا ڈبا سامنے رکھا کہ جو پسند آئے، لے لو۔ مہربانو کی آنکھیں پھیل گئیں ــــ ایک سے بڑھ کر ایک زیور تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کبھی جھمکے پہنتی اور کبھی ہار گلے میں ڈال کر تصور میں خود کو شادی ہال میں داخل ہوتا دیکھتی۔ بالآخر موتیوں سے جڑا سیٹ پسند کیا۔

خوشی خوشی گھر آئی۔ دو دن میں جوڑا تیار ہو گیا۔

اب شادی کے دن کا انتظار تھا۔

مہربانو سج دھج کر تیار ہوئی۔ جب وہ شادی ہال میں داخل ہوئے، مہمان آ چکے تھے، خوب چہل پہل تھی۔ انواع و اقسام کے خورونوش کا سامان تھا۔ کسی نے مہربانو کے زیور کی طرف توجہ دی نہ لباس کی چمک دمک دیکھی، ہر ایک خود میں مگن تھا۔ تقریب ختم ہوئی۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر آئے۔ بھاری زیورات پہننے کی عادت نہیں تھی، زیور رومال میں لپیٹ کر بیگ میں ڈال دیا۔

اگلے روز مہربانو نے امانت لوٹانے کے لئے بیگ کھولا تو چیخ نکل گئی۔ ساجد تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ بیوی کا رنگ سفید دیکھ کر پوچھا، کیا ہوا؟

مہربانو نے بمشکل الفاظ ادا کئے، ہار نہیں ہے۔ اندھیرا تھا، دھیان نہیں دیا کہ زیورات بیگ میں جانے کے بجائے شاید ٹیکسی کی سیٹ پر گر گئے۔ جھمکے موجود ہیں، ہار غائب ہے۔ تمہیں ٹیکسی کا نمبر یاد ہے؟

نہیں! مجھے کیسے یاد ہوگا۔ ساجد کا ذہن سن ہو گیا۔

اب کیا ہوگا ــــ؟ مہربانو نے پوچھا۔

بیوی سے کہا، اپنی حیثیت کے مطابق رہنا چاہئے۔ اگر تم نے ضد نہ کی ہوتی، یہ دن نہ آتا۔

مہربانو نے تنک کر جواب دیا، ساجد! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، مسئلے کا حل نکالو۔

حل یہ ہے کہ میں قرض لوں، تم دوست کا زیور لوٹاؤ اور میں قرض کی رقم ادا کرتا رہوں۔

یہ کہہ کر وہ غصے میں کمرے سے نکل گیا۔

مہربانو کے جسم میں جان نہیں تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہار قیمتی تھا۔ رقم کیسے پوری ہوگی۔ کون قرض دے گا۔ ایک بار پھر بیگ ٹٹولا کہ شاید ہار نکل آئے لیکن وہ بیگ میں نہیں تھا۔

ہمت کر کے صفیہ کا نمبر ملایا۔

میں مہربانو بات کر رہی ہوں۔

کیا ہوا مہر، پریشان لگ رہی ہو؟

مہربانو نے آواز میں لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا، سب خیریت ہے۔ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ زیورات آج واپس نہیں کر سکتی، ہار کا ٹانکا کھل گیا تھا، مرمت کے لئے دیا ہے، دس بارہ دن لگ جائیں گے۔

ٹھیک ہے، جب ہار آجائے، لوٹا دینا۔

مہربانو اور ساجد کو ہار تلاش کرنے کے لئے وقت مل گیا۔ وہ ٹیکسی اسٹینڈ گئے اس امید پر کہ ڈرائیور مل جائے یا کوئی ایسا فرد جو اسے جانتا ہو۔ وہاں پہنچ کر سب کو حلیہ بتایا لیکن مایوسی ہوئی۔

قرض لینے کے سوا راستہ نہیں تھا۔ جاننے والوں سے مدد مانگی۔ وہ ساجد کے حالات جانتے تھے کہ قلیل تنخواہ میں یہ رقم کس طرح اور کتنی مدت میں واپس کرے گا اس لئے سب نے معذرت کرلی۔ چوں کہ ساجد پرانا ملازم تھا، کمپنی قرض دینے پر رضامند ہوگئی۔

دونوں سنار کے پاس پہنچے۔ وہاں ہار سے ملتا جلتا ہار مل گیا۔ قیمت سن کر لاچارگی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک لاکھ روپے ادا کئے۔ جو زیور مہربانو نے کبھی اپنے لئے نہیں خریدا تھا، آج کسی اور کو دینے کے لئے خریدنا پڑا۔ سخت نادم تھی کہ اس کی وجہ سے اب ہر ماہ ساجد کی تنخواہ سے رقم کی کٹوتی ہوگی۔

کاش تم شادی کا کارڈ گھر نہ لاتے۔ شوہر سے کہا۔

وہ بولا، اور کاش تم شکر ادا کرنا سیکھ لیتیں!

دوسرے دن مہربانو زیورات لے کر صفیہ کے گھر گئی۔ ڈر تھا کہیں وہ ہار دیکھ کر انکار نہ کردے۔

صفیہ نے دیکھے بغیر زیورات ڈبے میں ڈالے اور مہربانو سے باتوں میں مشغول ہوگئی۔

گھر آکر مہربانو نے توبہ کی کہ آئندہ کسی سے ادھار لے کر کچھ نہیں پہنے گی۔

ساجد کی تنخواہ 25 ہزار تھی جس میں سے ہر ماہ پانچ ہزار قرض کی مد میں کٹتے تھے۔ یعنی قرض تقریباً دو سال میں اترنا تھا۔ بیٹا ایک سال کا تھا۔ گھر کے اخراجات پھر بچے کی ضروریات ــــ 20 ہزار میں جس طرح ممکن ہوا، گھر چلایا۔ مہربانو نے سلائی اور بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کیا۔ میاں بیوی نے مل کر زندگی کی گاڑی کھینچی۔

جب قرض اتر گیا، سکون کا سانس لیا۔

مہربانو نے اس عرصے میں شکر ادا کرنا سیکھا۔

اب ان کے حالات پہلے سے بہتر تھے۔

سختی میں گزرا ہوا وقت فلم کی طرح نظروں میں گھوم جاتا، نادانی پر افسوس ہوتا تھا۔ شادی میں جانے کے لئے کتنے شوق سے دو دن میں جوڑا سلوایا۔ چار ہزار کا نیا جوڑا اور مانگے ہوئے زیورات پہن کر وہ کتنی سرشار تھی۔ معلوم نہیں تھا کہ یہ تیاری طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ پھر ہار کا گم ہونا۔ ایک ایک چیز یاد آجاتی۔

مادیت میں الجھے ہوئے شخص کو معلوم نہیں ہوتا کہ جسے وہ خوشی سمجھ رہا ہے، وہ غم کی تیاری کا وقفہ ہے۔ سجنے سنورنے کے شوق میں برائی نہیں لیکن جو چیز دسترس میں نہیں، اس کو کسی سے مانگ کر پہننا خوشی نہیں ہے۔

صفیہ کا فون آیا۔ وہ اپنے گھر بلانے کے لئے اصرار کررہی تھی۔ مہربانو کو زندگی میں پہلی بار جذبات کی قید سے آزادی کا احساس ہوا۔ دل چاہا صفیہ کو بتائے کہ کس طرح ایک ہار نے اس کی زندگی بدل دی۔

بہت بدل گئی ہو۔صحت پہلے جیسی نہیں ۔کیا مالی حالات بہتر نہیں ہوئے؟ صفیہ نے پوچھا۔

اللہ کا شکر ہے، حالات پہلے سے بہتر ہیں۔

کم زور ہوگئی ہو۔لگتا ہے اپنا خیال نہیں رکھتیں۔

مہربانو نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا، احساس کم تری اور تمہارے ہار کی وجہ سے اس حال کو پہنچی۔

میرے ہار کی وجہ سے؟ وہ تو تم نے واپس کر دیا تھا۔

افسردہ لہجے میں کہا، واپس نہیں کیا۔وہ ہمارے گلے کا ہار بن گیا۔تمہارا ہار کھو گیا تھا، قرض لے کر اس سے ملتا جلتا ہار خریدا اور دو سال میں رقم پوری کی۔بس! سزا تھی جو بھگتنی پڑی۔شکر ہے وقت گزر گیا۔

دو سال—؟ ہار کتنے میں خریدا—؟

ایک لاکھ روپے۔مہربانو نے بتایا۔

ایک لاکھ روپے؟ کیا تم نے میرے ہار کی جگہ خالص سونے کا ہار خرید کر مجھے دیا؟ صفیہ کی آواز میں حیرانی تھی۔اف — مہربانو! جو سیٹ تم نے پسند کیا وہ نقلی تھا۔میں نے اس کو سنہرا کرایا تھا۔ہار کی قیمت بمشکل پانچ ہزار ہوگی۔یہ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا؟ مجھ سے ہار کی بات کیوں چھپائی—؟

مہربانو کو شدید جھٹکا لگا۔کچھ دیر کے لئے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوگئی۔وہ کچھ کہے بغیر گم صم وہاں سے چلی آئی۔صفیہ آوازیں دیتی رہ گئی۔

خواہشات زندگی کا حصہ ہیں۔یہ اچھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔کچھ خواہشات فوراً پوری ہوتی ہیں، اکثر وقت کے ساتھ اور بعض خواہشات رہ جاتی ہیں۔سب کو سب نہیں ملتا۔جن کے پاس وسائل زیادہ ہیں، ان کی بھی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔

مسائل کی بنیادی وجہ وسائل کی کمی نہیں، رویے ہیں۔غریب گھرانوں کی طرح متمول گھرانوں کے اپنے مسائل ہیں۔صفیہ کا تعلق جس معاشی طبقے سے ہے، وہاں مسابقت اور دکھاوا غریب طبقے سے زیادہ ہے۔پیسے کی ریل پیل مگر سکون ناپید!

سکون اور خوشی ظاہری معیار سے وابستہ نہیں۔اعلیٰ لباس چند مرتبہ پہن کر دل اکتا جاتا ہے۔قیمتی گاڑی کچھ روز میں معمول بن جاتی ہے۔نیا ماڈل آنے پر ہاتھ میں موجود مہنگا فون اہمیت کھو دیتا ہے۔خوش حال زندگی کا تعلق امیر ہونے سے نہیں ہے۔جب بندہ ہر حال میں خوش رہتا ہے، خوش حال ہو جاتا ہے۔

ہم مادیت پسندی میں الجھے ہوئے اور اپنی رضا سے سکون سے دور ہیں۔کیا مانگ کر پہنی ہوئی چیزیں اور ہر خواہش مستقل خوشی دے سکتی ہے—؟ یہ خود کو فریب دینا ہے۔سکون ملتا نہیں، لوگوں کی نظر میں قدر کم ہو جاتی ہے۔جن کے پاس آسائشیں ہیں، وہ خوش نہیں ہیں اور کچھ لوگ کم وسائل میں خوش ہیں۔غور کریں اور بتائیں کہ دونوں میں فرق کس چیز کا ہے؟

صوفیہ رفعت
(برطانیہ)

خاموش آوازیں

بحر میں داخل ہونے سے باہر کی آوازیں ـــ بے آواز ہو جاتی ہیں۔ لگتا ہے بحر نہیں، ساؤنڈ پروف سسٹم ہے جو باہر کی آواز اندر اور اندر کی آواز باہر جانے سے روک دیتا ہے۔

بھیڑ میں رہتے ہوئے جب کوئی شخص اپنے اندر میں دیوانہ وار آگے بڑھتا ہے تو راستہ کھلتا جاتا ہے۔ ہجوم میں طرح طرح کے ذہن اور قسم قسم کی آوازیں ہیں۔ وہ آوازیں سنتا ہے، چہرے دیکھتا ہے لیکن ٹھہرتا نہیں ـــ سفر جاری رکھتا ہے۔ عالمِ وارفتگی میں بالآخر ایک مقام آتا ہے جب لاکھوں آوازوں میں ایک آواز اور لاکھوں چہروں میں ایک چہرہ اس کے قدم روک لیتا ہے ـــ آواز میں اپنائیت اور چہرے پر سچائی کی رمق ہوتی ہے۔ سالوں کی مسافت طے کر کے اور ان گنت لوگوں سے گزر کر جب آدمی اس ایک شخص کے سامنے ٹھہرتا ہے تو سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آیا میں اس تک پہنچا ہوں یا موجِ مہرباں مجھے لاکھوں کے ہجوم میں سے کھینچ لائی ہے ـــ؟

موجِ مہرباں احساسِ محبت جاگزیں کر کے دوسرے دیوانے کی تلاش میں نکل جاتی ہے۔ دیوانہ ملتا ہے، موج جسے مختلف راستوں سے گزار کر شمع تک لے آتی ہے۔ شمع کی لَو میں جلنے سے پہلے دیوانے کو نشیب و فراز سے گزارا جاتا ہے تاکہ میل صاف ہوتا رہے اور وہ شمع کے قریب جانے کے قابل ہو جائے۔ یہاں پہنچ کر ریاضت کا نیا سبق اور نیا دور شروع ہوتا ہے۔

پروانہ دیوانہ سمجھتا ہے کہ میں روشنی کی تلاش میں ہوں۔ منظر واضح ہونے پر بات کھلتی ہے کہ وہ تلاش کے پہلے قدم سے روشنی کے حصار میں تھا۔ روشنی اپنی طرف کھینچتی ہے اور مقابل کا جذبۂ ایثار اور تڑپ دیکھ کر وجود میں سمیٹ لیتی ہے۔ دیوانہ پروانہ شمع میں جل کر شناخت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور خود کو پہچان لیتا ہے۔

نگاہِ ظاہر جلنے والے پروانوں کو مرا ہوا سمجھتی ہے جب کہ باطن میں نگاہ دیکھتی ہے کہ لباس تبدیل ہونے سے روشنی ـــ روشنی سے مل گئی ہے۔

موج یا لہریں مخلوق ہیں۔ ان کی ایک ذمہ داری کائنات میں اطلاع کی ترسیل یعنی ربط قائم کرنا ہے۔ موج طول بن کر جن اشیا کو ہم سے دور کرتی ہے، انہیں

کسی اور سے جوڑ دیتی ہے۔اور جنہیں کسی اور سے دور کرتی ہے، انہیں ہم سے جوڑ دیتی ہے۔ درحقیقت موج ـــ موجِ مہرباں ہے کیوں کہ بہرصورت اس کا کام ملانا، جوڑنا اور قائم رکھنا ہے۔

کسی چیز کو دیکھنے سے ذہن میں اس سے متعلق اطلاعات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔دراصل وہ چیز ہم پر منکشف ہونا چاہتی ہے اس لئے خیال کے ذریعے متوجہ کرکے عرفان کی دعوت دیتی ہے۔موجِ مہرباں بھی اپنا تعارف چاہتی ہے۔ وہ قلب و ذہن پر دستک دیتی ہے، کبھی مدھم کبھی پُرزور۔ چاہتی ہے کہ دستک کے جواب میں دروازہ کھولا جائے۔ یہی طلب آدمی کے اندر انسان کی ہے۔ اشیائے کائنات لہروں کے توسط سے ذہن و دل پر دستک دیتی ہیں، آدمی کو اِن کے در پر دستک دینی چاہئے۔ جتنی اشیا ہیں، سب مخلوق ہیں، ان میں حواس ہیں۔ محققین نے جن اشیا کی آواز نہیں سنی اور ان میں حرکت محسوس نہیں کی، انہیں بے جان (non living things) کہہ دیا۔ اگر وہ بے جان ہیں پھر تغیر سے کیسے گزرتی ہیں؟ بوسیدہ کیوں ہوجاتی ہیں اور ان میں عقل و شعور کس فہم کی نشان دہی ہے ـــ؟

''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔'' (الاحزاب:۷۲)

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں،

''مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیوں کہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے، اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے، اس کے واسطے دروازہ کھولا جاتا ہے۔'' (انجیل متی، ۷: ۷۔۸)

ایک دیوانے مستانے نے آوازِ محبت یا خاموش آواز جاننے کی جدوجہد کی۔ موجِ مہرباں نے پیغام دیا،

جو پتھر پے پانی پڑے مستقل
تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سل
رہو گے اگر تم یونہی متصل
تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل

آواز نظر نہیں آتی، ارتعاش بن کر محسوس ہوتی ہے۔ ارتعاش ہلکا گہرا ہوتا ہے۔ ہلکا ارتعاش احساس بننے سے فکر کی پرواز بلند ہوتی ہے کیوں کہ اس کیفیت میں حواس ارتعاش کو نزولی سطح کے بجائے صعودی سطح پر محسوس کرتے ہیں۔

خاموش آواز کے معنی لہروں اور تصویر کی زبان ہے۔ خیال آتا ہے، دماغ میں تصویر بنتی ہے اور ہم تصویر کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔ دریا کا خیال آتے ہی دماغ کے اندر لہریں اٹھتی نظر آتی ہیں، سماعت میں لہروں کی گونجار ہوتی ہے۔ پانی میں مٹھاس کا ذائقہ زبان پر محسوس ہوتا ہے اور دریا کنارے گزرے وقت کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ مور کا خیال آئے تو دماغ کی اسکرین

پر مور کا رقص بھی نظر آ سکتا ہے۔ شادی بیاہ کے تصور سے تصویر در تصویر مناظر نظر آتے ہیں۔ شادی کی تیاری سے لے کر بارات کی آمد اور رخصتی کا منظر فلم بن جاتا ہے۔ یہ سب خاموش آوازیں ہیں۔ ان کو خاموش کہنے کا سبب الفاظ سے ماورا ہونا ہے۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ارتعاش یا آواز سے ذہن میں تصویریں کیوں بنتی ہیں ــــ ؟ یہ کہاں سے آتی ہیں اور کہاں چلی جاتی ہیں ــــ ؟

موجودہ تحقیق کہتی ہے کہ آدمی کی سماعت کا دائرہ 20 ہرٹز سے 20 ہزار ہرٹز فریکوئنسی تک محدود ہے۔ ہر مخلوق میں سماعت کا تناسب مختلف ہے۔ آدمی زمین پر اور شاہین چٹانوں پر رہتا ہے۔ دونوں کی سماعتی فریکوئنسی الگ ہے۔ شاہین کو سنائی دینے والی بہت سی آوازیں آدمی سن سکتا ہے لیکن نہیں سنتا۔ یہ خاموش آواز کی ایک قسم ہے۔

ذہن سوچ بچار کے بحر میں غوطہ زن ہے۔ بحر میں داخل ہونے سے باہر کی آوازیں ــــ بے آواز ہو جاتی ہیں۔ لگتا ہے بحر نہیں ساؤنڈ پروف سسٹم ہے جو باہر کی آواز اندر اور اندر کی آواز باہر جانے سے روک دیتا ہے۔ صوتی علم رکھنے والے ان آوازوں کو میلوں دور رہتے ہوئے سنتے ہیں، آدمی نہیں سنتا۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں کہ محققین پر الٹرا ساؤنڈ کی صورت میں اس بات کا انکشاف ہو چکا ہے کہ کچھ آوازیں ایسی ہیں جسے انسانی سماعت کی ویولینتھ یعنی طول موج پکڑ نہیں سکتی مگر یہ خاموش آوازیں اپنے اندر بہت قوت رکھتی ہیں۔

''قدرت نے ہمارے مشاہداتی یقین کی تسکین کے پورے پورے مواقع فراہم کر دیئے ہیں۔ سمندر کی صورت میں آواز کی لہروں کا سسٹم ہمارے سامنے ہے۔ سطح سمندر پر موجیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر تواتر کے ساتھ سفر کرتی ہیں، ان لہروں کے مدوجزر میں جب ہوا کی قوت شامل ہو جاتی ہے تو طغیانی کی صورت میں ساحلِ سمندر پر موجوں کی آواز میں دوسری آوازیں ڈوب جاتی ہیں۔ سطح سمندر میں جتنا شور ہے سمندر کی گہرائی میں اتنی ہی خاموشی ہے۔ آواز کی لہریں گہرائی سے ابھر کر سطح سمندر پہ اپنا مظاہرہ کرتی ہیں۔ گہرائی میں آواز کو چوں کہ ہماری سماعت سن نہیں سکتی اس لئے ہم اسے خاموش آواز کہہ دیتے ہیں۔ سطح پر آ کر جب آواز کی لہریں ٹوٹ کر بکھرتی ہیں تو ہماری سماعت میں یہ لہریں داخل ہو جاتی ہیں۔''

پابند حواس میں رہنے والوں کو ہلکے ارتعاش کی حامل صوتی لہریں، ٹوٹ کر بکھرنے سے سنائی دیتی ہیں کیوں کہ وہ شے کو تقسیم کر کے سمجھنے کے عادی ہیں اور فاصلے کی قید میں رہتے ہوئے دیکھتے، سنتے اور محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً وائٹ بورڈ یا صفحے پر پوری تحریر لکھی ہوئی ہے لیکن آدمی ایک وقت میں ایک لفظ پڑھتا ہے۔ صوتی لہریں ٹوٹنے سے آواز کی رفتار کم اور توانائی

تقسیم ہوتی ہے۔ رفتار میں کمی سے پابند حواس شخص آواز سن لیتا ہے کیوں کہ اس کی محسوس کرنے کی رفتار سست ہے۔ فلم کو تیزی سے آگے بڑھانے سے سارے منظر ترتیب سے گزرتے ہیں لیکن ایک منظر نظر نہیں آتا۔ رفتار کم یا آدمی کے مطابق کر دیں، وہ بغیر مشقت کے فلم دیکھ لیتا ہے۔ ذہن کی رفتار سے تیز آواز یا شے سنائی نہیں دیتی، نظر نہیں آتی۔

انسان کو کائنات اصغر کہا گیا ہے۔ وہ کائناتی صفات کا مجموعہ ہے کیوں کہ اسے کائنات کی تسخیر کا علم عطا ہوا ہے۔ جب انسان کے اندر آواز بکھرتی ہے تو وہ لہر لہر میں موجود زندگی کشید کر کے مالک کائنات کی منشا اور مشیت سمجھتا ہے۔ اسے لہروں پر تصرف کا علم حاصل ہے۔ پھر چاہے وہ ان لہروں کو آواز میں بدل دے یا حضرت سلیمانؑ کے دربار میں علم الکتاب کے حامل بندے کی طرح تخت لہروں میں تبدیل کر کے ایک مقام سے میلوں دور دوسرے مقام پر منتقل کر دے۔

صحابی جن حضرت سرقؓ کا واقعہ بھی آواز کے قانون کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مکہ کے سفر کے دوران مرا ہوا ایک سانپ دیکھا۔ انہوں نے کپڑے میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا۔ کان میں سرگوشی ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے سنا تھا کہ سرقؓ گاؤں کے ایک میدان میں وفات پائے گا اور میری امت کا بہترین شخص اسے دفن کرے گا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا، تم کون ہو؟

آواز آئی، میں نوع جنات میں ایک فرد ہوں اور یہ میرا ساتھی سرقؓ ہے۔ جنات میں سے جن لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی تھی ان میں سے اب میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔''

(کتاب: محمد رسول اللہؐ، جلد دوم)

اس واقعے میں ''خاموش آواز'' کا قانون مخفی ہے۔

پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں،

''زمین و آسمان کا وجود اس روشنی پر قائم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نور فیڈ کرتا ہے۔ اگر نوع انسانی کا ذہن مادے سے ہٹ کر اس روشنی میں مرکوز ہو جائے تو وہ یہ سمجھنے پر قادر ہو جائے گا کہ اس کے اندر عظیم الشان ماورائی صلاحیتیں ذخیرہ کر دی گئی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو استعمال کر کے نا صرف یہ کہ زمین میں پھیلی ہوئی اشیا کو اپنا مطیع و فرماں بردار کر سکتا ہے بلکہ ان کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور لہروں کو حسب منشا انسپائر بھی کر سکتا ہے۔ پوری کائنات اس کے سامنے ایک نقطہ یا دائرہ بن کے آجاتی ہے۔ اس مقام پر انسان مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا، وسائل اس کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔''

لہر، موج یا انسپائریشن کا احساس خیال کے ذریعے ہوتا ہے۔ خیال میں الفاظ کے بجائے تصویریں بولتی ہیں۔ ہم نے مادی طور پر خیال کی آواز نہیں سنی، ذہن

میں تصویر دیکھی ہے۔ خیال کی آمد کے ساتھ ارتعاش ہمیں خیال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

خاموش آوازیں ہر فرد کے ذہن و دل پر دستک دیتی ہیں۔ گزرے ہوئے دور کا ذہنی اسکرین پر مظہر بننا اُس دور کی آواز ہے۔ ذہن میں دیکھنے والا اُس دور میں داخل بھی ہوسکتا ہے۔ آواز کا قانون سیکھنے کا ذریعہ الہامی کتب اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم ہے۔

''کیا انسان پر لامتناہی زمانے میں ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ قابل تذکرہ چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس لئے اسے سماعت اور بصارت دی۔ ہم نے اسے راستہ دکھادیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔'' (الدھر: ۱۔۳)

خاموش آواز کا علم کیسے حاصل ہو ــــ؟

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ سماعت میں نے دی ہے، بصارت میں نے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ اطلاع میں نے دی ہے۔ ہم عام حالات میں جس قدر اطلاعات وصول کرتے ہیں، ان کی نسبت تمام دی گئی اطلاعات کے مقابلے میں کیا ہے؟ شاید صفر سے ملتی جلتی ہو۔ وصول ہونے والی اطلاعات اتنی محدود ہیں جن کو نا قابل ذکر کہیں گے۔ اگر ہم وسیع تر اطلاعات حاصل کرنا چاہیں تو اس کا ذریعہ بجز علوم روحانی کے کچھ نہیں ہے اور علوم روحانی کے لئے ہمیں قرآن پاک سے رجوع کرنا پڑے گا۔''

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

کچھ تو نازک مزاج ہیں ہم بھی
اور یہ چوٹ بھی نئی ہے ابھی

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

تو شریک سخن نہیں ہے تو کیا
ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آرہی ہے ابھی

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

سو گئے لوگ اس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی

تم تو یارو ابھی سے اٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

(کلام: ناصر کاظمیؔ)

من ـــ کا

گلیوں اور شاہراہوں پر ہاتھوں میں بین اٹھائے اور کندھے پر کپڑے کا بیگ لٹکائے سپیرے نظر آتے ہیں۔ بیگ میں jute (پٹ سن) سے بنائے گئے ڈبے میں سانپ یا ناگ کنڈلی مارے بیٹھتا ہے۔ سپیرے سانپ کا رقص دکھاتے ہیں اور ارد گرد بچے بڑے دائرہ بنا کر جمع ہو جاتے ہیں۔ پٹ سن سے بنا ڈبا کھلتا ہے، پھن پھیلائے سانپ سر باہر نکالتا ہے اور بین کی لے پر رقص کرتا ہے۔

اگرچہ چھوٹے شہروں کی نسبت بڑے شہروں میں یہ رجحان کم ہو گیا ہے مگر سانپ کا رقص سپیروں کی روزی روٹی کا ذریعہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سپیرے اپنے بچوں کو چھ ماہ کی عمر میں کوبرا کے زہر کا قطرہ پلاتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اس عمل سے بچوں کو دیگر سانپوں کے علاوہ کوبرا تلاش کرنے اور پکڑنے میں آسانی ہوتی ہے۔ سپیروں کا کہنا ہے کہ وہ ناگ یا سانپ کے ساتھ خفیہ معاہدہ کرتے ہیں۔ معاہدے کے تحت سانپوں سے کہا جاتا ہے کہ انہیں تین چار مہینے میں آزاد کر دیں گے بشرطیکہ سانپ ان کے ساتھ معاونت کرے اور نقصان نہ پہنچائے۔ صرف سانپوں کے بادشاہ کو برا کو ایک سال رکھا جاتا ہے۔ سپیرے اسے مقدس مانتے ہیں۔

سانپ ٹھنڈے خون کا جانور ہے جسے جسمانی حرارت برقرار رکھنے کے لئے باہر موجود عناصر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مثلاً موسم سرد ہے تو سانپ ٹھنڈا ہوتا ہے، گرم ہے تو حدت بڑھ جاتی ہے۔ گرم موسم میں گرمی سے اور سردی میں حدت نہ ملنے سے ہلاک ہوتے ہیں۔ سپیرے ان کو گرم رکھنے کے لئے سردیوں میں ساتھ سلاتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ بدلے میں کوبرا دشمن سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر کوئی نقصان پہنچانے کے لئے رات کو گھر میں داخل ہو تو کوبرا مالک کو جگا دیتا ہے۔

کالا کوبرا کالے رنگ کا منکا (دانہ) اگلتا ہے۔ منکا کو سانپ کے ڈسنے کی جگہ پر رکھا جائے تو وہ زہر چوس لیتا ہے پھر منکا سے زہر نکالا جاتا ہے۔ سپیروں کے لئے منکا اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اسے کسی قیمت پر نہیں بیچتے اور کوئی بیچ دے تو ان کے نزدیک یہ بدقسمتی کی علامت ہے۔ البتہ منکا بطور تحفہ دینے کی اجازت ہے۔ سپیروں کی بیٹیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ شادی پر جہیز میں منکا ملے۔

شہد میں شفا ہے

wild flower
organic
honey

AZEEM
Life Sciences
Karachi-Pakistan

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہولسیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسوہال، کراچی۔

فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

میں نے کہا کہ بھائیو موقع تو دیکھئے
کہنے لگے کہ ہٹ پرے، موقع محل گیا

میں نے کہا، تم نے چندا کے علاوہ دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے ورنہ جلد بازی نہ کرتے۔ محبوبہ بیگم بننے کے بجائے شوہر سے بے غم ہو جاتی ہے۔ ایک بار پھر سوچ لو۔ جس کمرے کو اتنی محبت سے سجا رہے ہو، کل اس میں قدم رکھتے ہوئے دس بار سوچو گے۔

شادی شدہ شخص کی زندگی اور عشق کی زندگی پر جتنا لکھا جائے بے فائدہ ہے۔ باوجود یکہ شادی نہ کرنے کی نصیحت کوئی قبول نہیں کرتا، نصیحت کرنے والے عزم و حوصلے سے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ زندگی چند روزہ خوشی کے لئے داؤ پر نہیں لگائی جاسکتی۔ آخر شادی میں رکھا ہی کیا ہے سوائے دو متاثرین کے جن کی تعداد ہر سال بڑھتی رہتی ہے۔

تاریخ میں عاشقوں پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں رقیب کو منفی کردار میں پیش کیا گیا ہے۔ میں رقیب کو خدائی مددگار سمجھتا ہوں جو عاشق کو محبوب سے دور رکھ کر شادی سے روکتا ہے۔ میری رائے میں رقیب کا ہونا ضروری ہے ورنہ عشق کرنے والوں کے نصیب پھوٹتے ہیں اور اچھے بھلے دو عاشق رقیب نہ ہونے کی بنا پر میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ شادی سے پہلے عاشق پُر اعتماد، نڈر اور بے باک ہوتا ہے۔ شادی کے بعد خود کو بے وقوف سمجھتا ہے اور سہما ہوا رہتا ہے۔

ایک روز چچا زاد چندو کی داستانِ عشق مجھ تک پہنچی۔ کچھ عرصے بعد دعوت نامہ موصول ہوا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ رقیبِ جاناں نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ عشق انجام کو پہنچنے والا ہے۔ ثبوت شادی کا کارڈ تھا۔

ہمارے علاقے میں دوستی گہری کیوں نہ ہو، اگر دوست نے شادی کا کارڈ نام لکھے بغیر دیا ہے تو اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ عموماً چچا چچی، خالو خالہ، پھوپھا پھوپھی اس کمی کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ واجبی انداز میں کارڈ قبول کر کے عین شادی والے دن ناراضی کا اظہار بائیکاٹ کر کے کرتے ہیں۔ ہماری طرف لوگ چوں کہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اس لئے شادی کارڈ کو گریجویشن کی سند کے برابر سمجھتے ہیں۔

چندو زیرک تھا۔ کارڈ پر تقریباً سب کے نام لکھے۔ میں جانتا تھا کہ شادی میں شرکت کے لئے سب آئیں گے لیکن شادی کے بعد کوئی کام نہیں آئے گا۔

کارڈ ملتے ہی اگلے روز بس پکڑی اور چند گھنٹوں میں دوسرے شہر چچا کے گھر پہنچ گیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر ہجوم نے دھاوا بول دیا۔ سالوں بعد چچا کے گھر آنے پر محسوس ہوا جیسے گھر کسی جلسہ گاہ کا چور دروازہ ہے۔ دروازہ کھلتے ہی چھوٹے بڑے ہر سائز کے بچے مجھ سے لپٹ گئے۔ سب سے چھوٹا آٹھ سال کا تھا۔

چچا پر اللہ کی رحمت تھی۔ اللہ نے ہر چیز وافر مقدار میں عطا کی تھی۔ بچے بھی درجن اور اوپر سے ایک۔ چچی بے فکر تو چچا مست ملنگ تھے۔ گھر مرغی کے دڑبے سے کم نہ تھا لیکن مجال ہے کوئی بچوں کو خاموش کرائے۔ چچا کی آواز اس وقت سنائی دیتی جب بچے دست و گریباں ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے، پتر! مسلمان وہ ہے جو مل جل کر رہتا ہے۔

چچی مجھے دیکھتے ہی نہال ہوگئیں۔ پتر! آ گیا تو شادی کھانے۔ اللہ تیرا آنا مبارک کرے۔

ہمارے ہاں شادی پر آنے کو شادی کھانا کہتے ہیں۔ سب کہتے ہیں کہ میں شادی کھانے گیا تھا۔ گویا شادی خانہ آبادی نہ ہوئی، شادی کھانا آبادی ہوگئی۔ ایسے جملے تب وجود میں آتے ہیں جب قوم عقل و دل کے بجائے معدے سے سوچتی ہے۔

چچی! چندو کہاں ہے —؟ میں نے بچوں میں چندو کو تلاش کرتے ہوئے پوچھا۔

پتر! وہ کمرا تیار کر رہا ہے۔ خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے۔ چچی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

میں جانتا تھا کہ اس کی خوشی کے یہی دن ہیں۔

میرا فلسفہ ہے کہ شادی سے پہلے جتنا سمجھانا ہے، سمجھا لو — لیکن تین بار قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے کہنے والے کے حالات پر افسوس نہیں کرنا چاہئے۔

چندو! تو نہیں جانتا دنیا میں دو طرح کی عورتیں ہیں۔ ایک وہ جن کے وجود سے تصویرِ کائنات میں رنگ ہے۔ جب وہ بولتی ہیں، زبان سے پھول جھڑتے ہیں۔ دوسری قسم بیوی کہلاتی ہے۔ جب وہ بولتی ہے تو اللہ کی پناہ! میاں کی آواز گنگ ہو جاتی ہے۔ جس طرح بچہ بڑا ہوتا ہے اور معصومیت ختم ہوتی ہے اسی طرح محبوبہ بیوی بنتی ہے تو میاں بیوی دونوں کی خوبیاں فریبِ نظر بن جاتی ہیں۔ چندو کی ہونے والی بیوی کا نام چندا تھا۔

میں نے کہا، تم نے چندا کے علاوہ دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے ورنہ جلد بازی نہ کرتے۔ محبوبہ بیگم بننے کے بجائے شوہر سے بے غم ہو جاتی ہے۔ ایک بار پھر سوچ لو۔ جس کمرے کو اتنی محبت سے سجا رہے ہو، کل اس میں قدم رکھتے ہوئے دس بار سوچو گے۔

پھولوں کی لڑیاں سجانے میں مشغول چندو بولا، بھائی! سلام نہ دعا۔ خوشی کے موقع پر بدگمانی کی باتیں نہیں کرتے۔ ہم نے اکٹھے جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں۔ مجھے میرا چاند مل گیا ہے، اب ادھر ادھر کیا دیکھنا!

وہ ذوقِ شادی میں بھول گیا کہ اسے میرا ادھار واپس کرنا ہے۔ یاددہانی کا اچھا موقع تھا۔

میں نے کہا، تم اب تک میرا ادھار نہیں لوٹا سکے، شادی اور بعد کے اخراجات کیسے اٹھاؤ گے—؟

کیسا ادھار بھائی—؟ وہ پیسے تو آپ نے چھوٹے بھائی کو محبت میں دیئے تھے۔ میں چندو کی ''معصومیت'' پر دل میں خوب تلملایا۔

دیکھو! بندے کو خود غرض نہیں ہونا چاہئے۔ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی میں قصور شادی شدہ لوگوں کا ہے۔ اور تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ ہر شادی کا انجام بچے اور لڑائی جھگڑا ہے۔ شادی کے چند سالوں بعد جھگڑے اور بچے نہ ہوں تو عزیز و اقارب اور پڑوسی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دیکھ چندو! محبت کا انجام شادی ہوسکتا ہے، شادی کا انجام محبت نہیں ہوسکتا۔ ایک بار پھر سوچ لے۔

چندو نے میری جانب مسکرا کر دیکھا جیسے وہ مجھے باولا سمجھ رہا ہو۔ بھائی! تمہاری کون سی شادی ہوئی ہے جو اتنے وثوق سے کہہ رہے ہو کہ شادی کے بعد زندگی کیسے گزرتی ہے۔ اماں کہتی ہیں کہ بیوی کے آنے سے آدمی سدھر جاتا ہے۔

بڑے سادہ الفاظ میں چچی نے تجھے متنبہ کر دیا ہے کہ تو زَن مرید بننے جا رہا ہے۔ شادی ایسا لڈو ہے جو کھائے وہ پچھتائے۔

چندو قہقہہ لگاتے ہوئے بولا، جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔ اس نے ہار کی چند لڑیاں میری طرف اچھال دیں۔ وہ چاہتا تھا کہ میں کمر اسجانے میں ہاتھ بٹاؤں۔

تاریخ گواہ ہے کہ بیویوں کے بارے میں لکھنے کا حوصلہ صرف کنواروں نے کیا ہے اور یہ حوصلہ انہیں کنوارا ہونے کی وجہ سے ملتا ہے۔ نکاح کے بعد لڑکی رخصت ہوتی ہے تو خاوند بھی بیوی کو پیارا ہوتا ہے۔ اگر شادی شدہ حضرات کو میری بات پر اعتراض ہے تو وہ اپنی اماں سے تصدیق کر لیں۔ خود فریبی ختم ہوگی اور طبیعت صاف ہو جائے گی۔

میں نے گہری سانس لی اور سمجھ گیا کہ پانی صرف سر سے نہیں، چندو کی عقل سے بھی گزر گیا ہے۔

شادی کے دن چندو کو شیروانی اور گلے میں مالا پہنے، ڈھول باجوں کے ہمراہ بارات لے جاتا دیکھ کر مجھے اپنا بکرا یاد آ گیا جسے میں قربانی کے دن پاؤں میں گھنگرو اور گلے میں ہار ڈال کر قربان گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ ویسے بھی دلہا بن کر چندو کی زبان ممیانے لگی تھی۔ گو کہ رشتے دار اسے خوشی سے تعبیر کر رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ چھٹی حس آدمی کو آنے والے وقت کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

چندو پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی جب کہ میرے نزدیک شادی اور مرگ میں کوئی فرق نہیں۔ مرنے والا اور شادی کرنے والا دونوں نئی زندگی کی شروعات کرتے ہیں۔ مرحوم کو نئی زندگی کے آغاز پر نامۂ اعمال اور دلہا کو نکاح نامہ دیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کام یاب موت اور کام یاب شادی وہی سمجھی جاتی ہے جس میں کھانا من پسند ہو، لوگ

زیادہ سے زیادہ ہوں اور سیر ہو کر کھائیں۔ جتنی اقسام کے کھانے ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے مرحوم اور دلہا کی تعریف کی جاتی ہے۔ اب تو شادی اور موت کو بھی کھانے کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔ کھانا جتنا لذیذ ہوتا ہے، شادی اور موت اتنی مدت یاد رہتی ہے۔

شادی والے دن ہال میں عورتیں بہت خوش ہوتی ہیں۔ مردوں میں صرف دلہا دل سے خوش ہوتا ہے، باقی حضرات جانتے ہیں کہ تاحیات قربانی دینے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ کیفیت چھپائے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھ کر زیرلب مسکراتے ہیں۔ اس مسکراہٹ کی زبان وہی مرد سمجھتے ہیں جو شوہر کے درجے پر فائز ہیں۔

زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے۔ احساس شادی ہال پہنچنے پر ہوا۔ باراتی چندو کو مولوی صاحب کے حوالے کر کے خود کھانے کی میز کے قریب جگہ کے حصول کے لئے دوڑے۔

مولوی صاحب نکاح نامے کے کالم میں تفصیلات لکھتے ہوئے قصائی کی طرح چھری تیز کرتے محسوس ہوئے۔ میں نے آخری امید کے طور پر چندو کو خاموشی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس پر چندا کا خمار سوار تھا۔ نکاح نامہ لے کر لڑکی کے والد اور بھائی ہال میں بنے ہوئے ایک کمرے کی طرف بڑھے۔ ان کی واپسی میں تاخیر سے امید کی کرن پیدا ہوئی۔

میں نے سوچا چندا چندو سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ یقیناً دلہن کی سہیلیوں میں کوئی میری ہم ذہن موجود ہے جو اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

میں کمرے کے قریب کھڑا ہو گیا کہ کوئی سن گن مل جائے۔ دروازہ کھلا اور ایک لڑکی دلہن کے کان میں کھسر پھسر کرتی نظر آئی۔ سمجھ گیا کہ یہی ہے وہ جس نے میری طرح کنواروں کو سمجھانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

لڑکی والوں میں سے کسی کی آواز آئی، یہ دلہا کا بھائی ہے اس سے پوچھو نکاح کے بعد کھانا کب لگے گا۔

نکاح میں تاخیر سے چہروں پر اضطراب پھیل رہا تھا۔ کسی کو نکاح کی فکر نہیں تھی۔ سب کے پیٹ روٹی سے خالی تھے۔ میرا حال ان سے الگ نہیں تھا لیکن میں کھانے کے معاملے میں ہمیشہ تہذیب سے کام لیتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔

لڑکی کی طرف سے قبولیت ہوتے ہی نکاح خواں لڑکے والوں کی طرف بڑھا۔ چندو کی جانب سے بھی نیا بندھن قبول کرتے ہی ہر طرف سے مبارک ہو مبارک ہو کی آوازیں بلند ہوئیں۔ باراتیوں نے مہمانوں میں چھوارے تقسیم کئے۔ پھر کھانا لگنے کی آواز آئی اور ہال میں مہذب نظر آنے والے تمام لوگوں میں افراتفری پھیل گئی۔ جو جہاں تھا، تیزی سے کھانے کی میز کی طرف آیا۔ آیا نہیں بلکہ دوڑا۔ میز پر ہجوم ہو گیا۔ ہر ایک پہلے میں، پہلے میں کی کوشش میں تھا۔

جب مہمان کرسیاں چھوڑ کر کھانے کی طرف لپکے تو مجھے اپنی قوم کے دشمن پر حملہ کرنے کی مہارت کا اندازہ ہوگیا۔ محض ایک پلیٹ بریانی، قورمہ اور کھانے پینے کی دیگر اقسام کے لئے ان سے دشمن کی فوج کو تہس نہس کرنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔

شادی پر سنگھار کے لئے کیا گیا جتن کھانے کے وقت غیر اہم ہوجاتا ہے۔ ہونٹ سرخی کے بجائے قورمے اور بریانی کے تیل سے تر ہوجاتے ہیں۔ حضرات بھی ادھر ادھر نہیں دیکھتے، ساری توجہ پلیٹ پر ہوتی ہے۔

خواتین وحضرات پلیٹ اتنی بھر لیتے ہیں کہ جیسے اس کے بعد کھانا نہیں ملے گا۔ سارا کھانا پلیٹوں میں چھوڑ دیتے ہیں پھر پتہ نہیں حرص کس چیز کی ہے۔ کھانے کے موقع پر لوگوں کا رویہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے۔

میں نے کھانے کی میز کی طرف بڑھنے کے بجائے ہجوم کم ہونے کا انتظار کیا اور اسٹیج کی طرف نظر دوڑائی۔ دلہا دلہن نکاح کے بعد بدل جانے والی دنیا کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دل میں ہنستے ہوئے کہا،

ابتدا نکاح ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا

اب کسی کو ان کی پروا نہیں تھی۔ لگتا تھا کہ سب جس کام کے لئے آئے ہیں، اسے پورا کررہے ہیں۔

تقریبات میں میزبان خوشی سے مہمانوں کے لئے کھانے کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ اس کی حق حلال کی کمائی ہے (اس بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا) جس میں وہ ہمیں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بدلے میں ہم کھانا ضائع کرتے ہیں اور ندیدوں کی طرح لپکتے ہیں۔ اس میں عورتیں مرد، پڑھے لکھے اور ان پڑھ سب شامل ہیں۔

مجھے کھانے کی میز کے قریب وہی لڑکی دکھائی دی جو دلہن کے کان میں کھسر پھسر کررہی تھی۔ میں قریب گیا اور بولا، لوگ شادی میں اطمینان سے کھانا کھاسکتے ہیں۔ آخر انہیں جلدی کس بات کی ہے۔

لڑکی اسٹیج پر بیٹھے ہوئے دلہا دلہن کو اطمینان سے کھانا کھاتے دیکھ کر بولی، شادی پر اطمینان سے کھانے کے لئے بہرکیف شادی کرنا پڑتی ہے۔

لڑکی کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، آپ کے اور میرے خیالات کتنے ملتے ہیں۔ نہ جانے لوگ شادی کیوں کرتے ہیں۔ اچھی بھلی خوش گوار زندگی کے بجائے غلامی کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ آنکھوں میں محبت کے دیپ جھلملا رہے تھے۔ پسندیدگی پر بلا تامل بولی، کیا آپ میرے لئے کھانا لاسکتے ہیں—؟

کہتے ہیں کہ ایک عاشق مرتا ہے تو ہزاروں جنم لیتے ہیں۔ چندو کے کنواروں کی فہرست سے نکلنے کے بعد میرے اندر کا عاشق بیدار ہوگیا۔ میں اعتماد سے اثبات میں سر ہلا کر بے خطر آتشِ عشق میں کود گیا۔

شاعر عظیم خواجہ عرفی نے کیا خوب کہا ہے،

ڈھکّن اٹھا تو دل میرا تھوڑا بہل گیا
دیکھی وہاں قطار کلیجہ دہل گیا
پھر دیکھتے ہی دیکھتے بھگدڑ سی مچ گئی
ایسا لگا کہ ہاتھ سے وقتِ سہل گیا
میں نے کہا کہ بھائیو موقع تو دیکھئے
کہنے لگے کہ ہٹ پرے، موقع محل گیا
چمچوں کی کھینچ تان، پلیٹوں کی دوڑ میں
شانوں سے عورتوں کے دوپٹا پھسل گیا
دیکھا جو بیبیوں کا جھپٹنا کباب پر
اکبر وہیں پہ غیرتِ قومی سے گل گیا
عرؔفی تھا کشمکش میں، بھرے اپنی پلیٹ بھی
دامن سے ہاتھ پونچھ کے بچہ ٹہل گیا

میں لوگوں کو شادی سے روکنے کی ہر کوشش میں ناکام ہوتے ہوتے خود شکار بن گیا۔ جب تک ہم کنوارے تھے شادی کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی۔ شادی کے بعد رائے بدل گئی۔ یہ انمول بندھن ہے جو ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے۔ اللہ کی مہربانی سے جس خاتون کے لئے میں ہجوم میں جا کر بریانی، قورمہ، کباب اور نان لایا تھا، اسی سے شادی ہوئی۔ ہمارا نکاح دراصل تجدیدِ محبت تھی۔ نکاح کے بعد میں بھی ''شوہر'' بن گیا۔

ہم نے گھر کے کام بانٹ لئے ہیں۔ وہ کھانا کھاتی ہے تو میں برتن دھو لیتا ہوں۔ وہ میرے لئے دیدہ زیب لباس پہنتی ہے، میں کپڑے دھو لیتا ہوں۔ وہ گھر کو امن کا گہوارہ بنا کر رکھتی ہے، میں گھر میں جھاڑ پونچھ کر دیتا ہوں۔ میرے کنوارے دوست کہتے ہیں کہ تم زَن مرید بن گئے ہو۔ میں ان کی سوچ پر ہنستا ہوں کہ یہ کیا جانیں کہ انڈر اسٹینڈنگ کیا ہوتی ہے۔

اگر دلہن دھان پان سی نہ ہو، تھوڑی سی زیادہ گداز ہو تو ایک واقعہ سن لیجئے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ گھر میں چور گھس آیا۔ میاں دھان پان تھے۔ بیوی صحت مند تھی۔ پہلے بیگم نے شوہر کو جگایا۔ شوہر خواب غفلت میں تھا، نہیں اٹھا۔ دلہن بیگم باہر نکلیں، غصے میں چور کو دھکا دے کر گرایا اور اس کے اوپر بیٹھ گئیں۔

شوہر کو آواز دی۔ میں نے پکڑ لیا ہے، میں نے پکڑ لیا ہے، جلدی آؤ، جلدی آؤ۔ شوہر آنکھیں ملتے ہوئے کوئی شے ڈھونڈنے لگا۔ چور بولا، جلدی آؤ کیا کر رہے ہو۔

شوہر بولا، میں جوتے ڈھونڈ رہا ہوں۔

چور صاحب بولے، جوتے چھوڑو، جلدی آؤ۔ میرے جوتے پہن لینا۔ لیکن شوہر کاہل الوجود تھا۔ نیند میں مخمور جوتوں کی تلاش میں ادھر ادھر ہوتا رہا۔

چور زور سے بولا، میاں جی! جلدی آؤ۔ مجھے اس سے بچاؤ۔ شوہر صاحب آئے۔ بیوی نے چور شوہر کے سپرد کیا اور چور بھاگا۔

شوہر نے آواز دی، میاں اپنے جوتے تو لے جاؤ۔

چور بولا، خیر ہے! جیتا رہا تو اور مل جائیں گے۔

بلال حسن

سوئی اور مشین

1845ء کی ایک صبح خواب میں دیکھا کہ وہ جنگلی قبیلے کی قید میں ہے۔ قبیلے کے سردار نے حکم دیا ہے کہ 24 گھنٹے کے اندر سلائی مشین بنادو ورنہ تمہیں ماردیں گے۔

رحمٰن ورحیم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ال م۔ اس کتاب میں شک نہیں۔ ہدایت ہے متقیوں کے لئے جوغیب پر ایمان لاتے ہیں۔''

(البقرۃ: ۱۔۳)

شک ــــ یقین کے بالمقابل ستون ہے جس پر لوگ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ان عمارتوں میں داخل ہوکر گمان ہوتا ہے کہ شاخ در شاخ کی مانند راستے میں سے راستہ اور منزلوں میں سے منزلیں نکل رہی ہیں۔ چوں کہ شک پر قائم عمارتوں کی جڑیں مستحکم نہیں ہوتیں اس لئے ہوا کے جھونکوں سے لرزتی ہیں اور بالآخر زمین دوز ہوجاتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے جوزمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اسے کچھ ٹھہراؤ نہیں۔'' (ابرٰھیم : ۲۶)

شک ایک وجود ہے جو شکل وصورت رکھتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شک کی شکل ایک حالت پر قائم نہیں رہتی ــــ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ چہرہ شناس تذبذب میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ ابھی نقوش اور ــــ ابھی کچھ اور ہیں۔

نگاہ جسے ہدف بناتی ہے اس کا نیگیٹو جذب کرتی ہے اور نیگیٹو کا پوزیٹو دیکھتی ہے۔عام فہم زبان میں وضاحت یہ ہے کہ ہماری طرز فکر جو کچھ دکھاتی ہے، ہم اس کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔طرز فکر کا دیکھنا نیگیٹو ہے اور ہمارا نیگیٹو کو دیکھنا پوزیٹو ہے۔

نیگیٹو پوزیٹو سے مراد انگریزی زبان کا مثبت منفی نہیں ہے بلکہ تصویری زبان کی اصطلاح ہے جس میں آدمی دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں دیکھتا ہے، سیدھا الٹا یا الٹا ــــ سیدھا نظر آتا ہے۔

شک سے عمارت لرزتی ہے، یقین سے مستحکم رہتی ہے۔شک ملاوٹ ہے، یقین ملاوٹ سے پاک ہے۔ آنکھیں بند کرکے راسخ شے کا تصور کریں۔سادہ مثال میخ (کیل) ہے۔لکڑی میں کیل ٹھوکیں۔لکڑی کیل کو

اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ بظاہر کیل کا وجود قائم رہتا ہے لیکن دلِ بینا دیکھتی ہے کہ کیل میں حرکت لکڑی کی حرکت ہے یا لکڑی میں حرکت سے کیل حرکت میں ہے۔ خدائے واحد کا فرمان ہے،

''پاک بات کی مثال پاک درخت کی ہے۔ اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں۔''

(ابراھیم :۲۴۔۲۵)

اقوام کے عروج و زوال اور فرد کی زندگی میں بروقت اور درست فیصلے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یقین اور شک کا موازنہ کریں کہ ان میں سے کون سی طرز فکر اپنانے سے ہم وقت پر صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں ــــ؟

ہجوم سے پاک ذہن اگر مگر میں نہیں الجھتا، لاشعور کی آواز قبول کرتا ہے جس کو عرف عام میں لوگ چھٹی حس کہتے ہیں۔ جب کہ چھٹی حس ہی پہلی حس ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ملاوٹ ہے۔

مصیبت سے محفوظ رہنے پر اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ مجھے خیال آیا تھا وہاں نہیں جانا، شکر ہے میں نے خیال پر عمل کیا۔ کوئی کہتا ہے چھٹی حس نے خبردار کیا تھا کہ خطرہ ہے مگر میں نے نظر انداز کر دیا۔ ہر اطلاع اسی طرز پر آتی ہے۔ کیا ہم بتا سکتے ہیں کہ چھٹی حس پہلی پانچ حسوں سے کس طرح الگ ہے ــــ؟

صحیح اور غلط میں فرق کے لئے طرز فکر مثبت اور ذہن صراط مستقیم کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ ذہن ایک مرکز پر قائم ہو۔ منقسم ذہن کا فیصلہ درست نہیں ہوتا، وہ ظاہری امکانات سے متاثر ہو کر فیصلہ کرتا ہے۔ جب حالات بدلتے ہیں، رائے بدل جاتی ہے۔

''جو انکار کرتے ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے صحرا میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے، اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پاتا ہے۔ پھر اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (النور: ۳۹)

شک رنگ بدلتا ہے، یقین بے رنگ ہوتا ہے۔ بے رنگی نور کی صفت ہے اور نور یقین ہے۔ شک سے متاثر ذہن کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ مثال ایسی ہے،

''جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے ہوں۔ اس پر ایک موج چڑھ آتی ہے اس پر ایک اور موج ہے۔ اس کے اوپر بادل ہے۔ اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جسے اللہ نے نور نہ دیا ہو، اس کے لئے کہیں نور نہیں۔'' (النور: ۴۰)

شک اور یقین دونوں اطلاعات پر قائم ہیں۔ شک کو شیطنت سے تحریک ملتی ہے اور یقین کا مرکز اللہ کا نور ہے۔ شیطان نے نوع آدم کو بہکانے کی اجازت لی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر واضح کر دیا کہ میرے خالص

بندے تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔

اطلاع کے میکانزم کو سمجھ کر ہم شک اور یقین میں فرق کر سکتے ہیں۔قرآن کریم تخلیقی علوم کی دستاویز ہے۔ اس میں اطلاع کی equation (مساوات) کے بارے میں ایک سے زائد آیات ہیں۔

چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ''ہو''، وہ ہو جاتی ہے۔ (یٰسٓ: ۸۲)

۲۔جو لوگ علم میں راسخ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔ (اٰل عمرٰن: ۷)

۳۔رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔موت سے زندگی کو نکالتا ہے اور زندگی سے موت کو۔ (اٰل عمرٰن: ۲۷)

۴۔ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۶)

۵۔وہ آسمان سے زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس تدبیر کی روداد اس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔ (السجدۃ: ۵)

۶۔اور تم بغیر اس کے کہ اللہ چاہے، چاہ نہیں سکتے۔ بلاشبہ اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (الدھر: ۳۰)

آیات ربانی سے آگہی ملتی ہے کہ

★ ہر اطلاع ''ہو'' اور ''ہو جانے'' کا مظاہرہ ہے۔

★ تمام امور کا انتظام لاشعور سے ہوتا ہے۔

★ مخلوق اطلاع کی غیر موجودگی میں ڈیڈ باڈی ہے۔

★ ہر امر اللہ کے حکم سے ہے اور مظاہرے کے بعد غیب ہو جاتا ہے۔اللہ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔

اطلاع کا میکانزم پوری طرز زندگی پر محیط ہے۔ عالمِ علمِ لدنّی حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''زید کہتا ہے کہ میں نے اخبار پڑھا، میں نے خط لکھا، میں نے کھانا کھایا۔اخبار کس نے پڑھا؟ خط کس نے لکھا، کھانا کس نے کھایا؟ زید نے۔ یہ سب کچھ زید نے کیا۔مگر یہ سب کچھ بیان کرنے والا، سمجھنے والا زید کا ذہن ہے۔زید نے کیا کیا اس کا جاننے والا صرف زید کا ذہن ہے۔جاننے کی نوعیت اطلاع سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔اخبار پڑھنا، خط لکھنا وغیرہ وغیرہ اطلاعات ہیں۔جب ہم ان اطلاعات سے قطع نظر کرتے ہیں تو زید کون ہے، زید نے کیا کیا ہے سب بے معنی ہے۔ حقیقت اتنی ہے کہ زید کے ذہن کو اطلاعات موصول ہوئیں۔یہاں دو ایجنسیاں قابل ذکر ہیں۔اطلاعات اور ذہن۔اطلاع دینے والا بھی ذہن ہے اور اطلاعات وصول کرنے والا بھی۔''

ذہن کا تعلق سوچنے سمجھنے سے ہے۔ذہن نور کی معرفت سوچتا، سمجھتا اور دیکھتا ہے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ

''جب ہماری نظر کسی کتاب کے الفاظ پر پڑتی ہے تو گویا روشنی پڑتی ہے کیوں کہ ہم روشنی کے علاوہ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔جب ہم کتاب پڑھتے ہیں تو روشنی

پڑھتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں روشنی سمجھتے ہیں کیوں کہ جب ہم روشنی پڑھیں گے تو روشنی سمجھیں گے۔ اور جو کچھ ہم سمجھ رہے ہیں وہ محض اطلاع ہے۔ اب کہنا پڑے گا کہ روشنی اور اطلاع ایک ہی چیز ہے۔''

اطلاع کی تصویر روحانی ماہرین پیش کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ شعور سے ماورا دنیا کا علم ہے، اُس دنیا کا جو زمین کے کناروں سے باہر ہے۔

کتاب ''نظریۂ رنگ و نور'' میں تحریر ہے،

۱۔ اطلاع کے نزول سے دماغ کے اوپر پڑنے والا ہلکا سا دباؤ واہمہ کہلاتا ہے۔ شعور اس کی گرفت نہیں کر سکتا۔

۲۔ دباؤ میں گہرائی سے حواس میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور ذہن پر لہروں سے بنی تصویر کا ہلکا سا خاکہ بن جاتا ہے۔ اس کو خیال کہتے ہیں۔

۳۔ روشنیوں کے نزول میں مزید گہرائی سے نقش و نگار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور ذہن اس کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے۔ اس کیفیت کو تصور کہتے ہیں۔

۴۔ تصور میں گہرائی پیدا ہونے سے احساس (حواس) پیدا ہو جاتے ہیں۔

۵۔ احساس کے اندر رنگینی شے کو خدوخال کے ساتھ مظہر بنا کر سامنے لے آتی ہے۔

مادی سائنس اطلاع کو ماورائی علم سے الگ سمجھتی ہے اور اس کا ماخذ دماغ میں chemical reactions (کیمیائی تعاملات) بتاتی ہے۔ دماغ کے لئے کیمیائی عناصر کیسے بنے، کس نے بنائے اور یہ کون سی لیبارٹری میں تیار ہو کر دماغ تک پہنچے، اس کا جواب نہیں ہے۔

مادی تحقیق تلاش میں ہے کہ

۱۔ اطلاع کہاں سے آتی ہے؟

۲۔ اس کا ماخذ اور منبع کہاں واقع ہے؟

۳۔ اطلاع کس طرح پیدا ہوتی اور بنتی ہے؟

محققین کہتے ہیں کہ دماغ خصوصاً انسانی دماغ انتہائی پیچیدہ مشین ہے۔ اس کا نظام ابھی تک ان کے لئے معمّا ہے۔ ان کے بقول دماغ کے کام کرنے کی حتمی سطح chemical reactions ہیں جو دماغ میں انجام پاتے ہیں۔

محققین کا قیاس ہے کہ زمینی حیات میں دماغ کی ساخت پہلے سادہ تھی جو لاکھوں سالوں کے ارتقا سے پیچیدہ تر ہوتی چلی گئی۔

محقق Elias Howe سلائی مشین بنانے کی کوشش میں تھا۔ 1845ء کی ایک صبح خواب میں دیکھا کہ وہ جنگلی قبیلے کی قید میں ہے۔ قبیلے کے سردار نے حکم دیا ہے کہ 24 گھنٹے کے اندر سلائی مشین بنا دو ورنہ تمہیں مار دیں گے۔

ہووے نے کوشش کی لیکن کام یاب نہیں ہوا۔

آخر سردار نے نیزہ بردار محافظوں کو اسے ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ محافظ جوں ہی مارنے کے لئے قریب آئے، اس نے دیکھا کہ ان کے نیزوں میں نوک کے

ساتھ سوراخ بنے تھے۔

یہ دیکھتے ہی ہووے کی آنکھ کھل گئی۔

قدرت نے خواب کے ذریعے راہ نمائی کی کہ سلائی مشین کے لئے عام سوئی کے برخلاف ایسی سوئی درکار ہے جس میں نوک کے پاس سوراخ ہو۔

اس طرح سلائی مشین ایجاد ہوئی۔

بتایئے نیند اور بیداری میں چلنے والی فلم کا تعلق دماغ میں کیمیکل ری ایکشن سے ہے—؟ اگر ایسا ہے تو کون ہے جس کے حکم سے یہ عمل انجام پاتا ہے—؟

ہر ایجاد اطلاع کے تحت ہے۔ کبھی اطلاع بیداری میں آتی ہے اور کبھی خواب کے ذریعے راہ نمائی ملتی ہے۔

دماغ کو محض کیمیائی مادوں کی پیچیدہ مشین قرار دینا اور اسے نام نہاد ارتقائی عمل کا نتیجہ سمجھنا سطحی طرزوں میں سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اگر حیات کو سمجھنے کا یہی طریقہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ لباس کو اصل قرار دے کر اس کا مطالعہ کیا جارہا ہے۔ جب کہ الہامی کتب وضاحت کرتی ہیں کہ لباس کی حیثیت ثانوی ہے اور اسے پہننے اور حرکت دینے والی ایجنسی کوئی اور ہے۔

اطلاع سے متعلق آیات میں رموز کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے کہ ذہن اللہ کی طرف ہونے سے اطلاع یقین بنتی ہے۔ جو فرد شک میں مبتلا ہے وہ رحمانی انسپائریشن نظر انداز کر کے بے یقینی کا انتخاب کرتا ہے۔

میں — ہم

دو دوست سفر میں تھے۔ راستے میں ایک کی نظر سیاہ تھیلی پر پڑی۔ وہ قریب گیا، تھیلی کھول کر دیکھی تو اشرفیاں تھیں۔ آنکھوں میں چمک آ گئی۔

ساتھ موجود دوست خوش ہوا کہ اب ہمارے دن بدل جائیں گے۔

پہلے دوست کے تیور بدل گئے، دیکھو بھائی! تھیلی پر پہلے میری نظر پڑی اس لئے یہ میری ہے۔

دوسرا دوست بولا، یہ تم نے کیسی بات کر دی کہ میری ہے۔ کہو کہ ہماری ہے کیوں کہ ہم سفر میں ساتھ ہیں اور اشرفیوں پر دونوں کا حق ہے۔

پہلے نے کہا، تھیلی مجھے ملی ہے اور کہتے ہو کہ میں نے ایسا کیوں کہا—؟ غرض لڑتے جھگڑتے آگے بڑھے۔ اتنے میں آوازیں آئیں۔ مڑ کر دیکھا تو کچھ لوگ پیچھے آرہے تھے۔ تھوڑا قریب آنے پر آواز سنی کہ — ان کے ہاتھ میں ہماری اشرفیوں کی تھیلی ہے۔ آہستہ چلو، یہی چور ہیں۔

یہ سن کر جس دوست کے ہاتھ میں اشرفیوں کی تھیلی تھی، وہ گھبرا گیا اور ساتھی سے کہا، ہم مارے گئے۔

وہ بولا، یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ ہم مارے گئے۔ کہو کہ میں مارا گیا۔ جب اشرفیوں میں مجھے شریک نہیں کیا تو مصیبت میں، میں تمہارا شریک کیسے ہوا—؟

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبرشپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

شازیہ رشید

باادب ــــ بانصیب

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

محبوب کو اپنا بنانے یا اس کا بن جانے کا، اس کے سوا کوئی گر نہیں کہ جیسا محبوب چاہتا ہے ــــ بن جاؤ! جب تک دو افراد کی ذہنی و قلبی مقدار ایک نہ ہو، وہ دو رہتے ہیں۔ متضاد صفات کو کتنا قریب کرلیں، بالآخر ایک دوسرے سے گریز کرتی ہیں۔ دراصل یہ مماثل صفات ہیں جو فرد کو فرد سے قریب لاتی ہیں۔ نمازی، نمازی سے دوستی پسند کرتا ہے، تاش کھیلنے والا، تاش کھیلنے والوں میں بیٹھتا ہے، غیبت کرنے والے کو غیبت کی محفل اچھی لگتی ہے اور اللہ سے محبت کرنے والا، اللہ کے دوستوں کی رفاقت اختیار کرتا ہے۔

اولیاء اللہ کی انفرادیت اور پہچان خوف وغم نہ ہونے کے ساتھ تخلیقی فارمولوں کا علم ہے۔ ہم ان کے واقعات اور کرامات کو قصہ کہانی سمجھ کر پڑھتے ہیں لیکن روشن ذہن افراد بتاتے ہیں کہ ہر واقعے کے پیچھے کائناتی علم یا تخلیقی فارمولا ہے اس لئے اللہ کے دوست کی قربت اختیار کرنی ہو تو بلاشبہ عقیدت اہم ہے لیکن اصل تعلق ہم ذہن ہونا ہے۔

اللہ کے دوستوں کے حلقے میں شامل ہونے کے لئے علمِ حضوری حاصل کرنا چاہئے۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ ایران کے شہر زنجان میں پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے آپ کو زنجانی کہا جاتا ہے۔ اصل نام فخر الدین ہے۔ قدرت چراغ سے چراغ روشن کرنے کے لئے جن ہستیوں کا انتخاب کرتی ہے، ان کی تربیت کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔

روحانیت میں ادب کی حیثیت بنیادی ہے۔ ادب کے بغیر حفظِ مراتب طے نہیں ہوتے ہیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''باادب بانصیب ــــ بےادب بےنصیب''

حضرت میراں زنجانیؒ کی روحانی تربیت معروف بزرگ حضرت ابوالفضل ختلیؒ نے کی۔ وہ مرشد کی خدمت میں ''باادب بانصیب'' رہ کر تصوف کی عملی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ پیرومرشد نے رموزِ ولایت میں اعلیٰ مدارج طے کرنے پر ''میراں'' کا خطاب دیا۔

ادب کے لغوی معنی تہذیب، شائستگی، تمیز، احترام، حفظِ مراتب وغیرہ ہیں۔

روحانی علوم کے ماہرین کا ارشاد ہے،

''روحانیت کی منزلیں طے کرنے کے لئے سالک ادب کی پابندی نہ کرے تو بسا اوقات وہ ساری عمر بھول بھلیّوں میں گزار دیتا ہے اور کبھی وسوسوں کی وجہ سے اعمال و ایمان کی دولت سے محروم بھی ہوسکتا ہے (اللہ سب کو محفوظ رکھے)۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ ان تمام آداب و احکامات کی پابندی کی جائے جو منزل کا نشان پانے والے اور جمالِ یار سے واقف مقربین نے متعین کئے ہیں۔''

نگاہ دارِ ادب در طریق عشق و نیاز
کہ گفتہ اند طریقت تمام آداب ست

ترجمہ: عشق و نیاز کی راہ میں ادب کا بہت خیال کر۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ طریقت تمام تر ادب ہے۔

عشق میں ادب کی اہمیت پر شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

روحانیت کے آداب خود آگاہی کے آداب ہیں۔

سید میراں زنجانیؒ کے شاگردوں نے میٹھے پانی کے لئے درگاہ کے قریب کنواں کھودا۔۔۔پانی کھارا نکلا۔ حضرت میرانؒ کنوئیں کے پاس گئے، پانی پر دم کیا۔۔۔ اللہ رب العزت کے حکم سے کھارا پانی میٹھا ہوگیا۔ کنواں ''میراں دی کھوئی'' کے نام سے مشہور ہے۔

کرامت میں مقداریں بالخصوص پانی کی سائنس کا علم ہے۔ پانی میں نمک اور مٹھاس بیک وقت موجود ہوتے ہیں، ان کے درمیان میں ''برزخ'' کا قانون ہے جس کی وجہ سے ایک غالب اور دوسرا مغلوب رہتا ہے۔ برزخ روشنی کا پردہ ہے۔ اگرچہ سمندر نہایت نمکین ہوتا ہے، اس میں میٹھے یعنی تازہ پانی کے چشمے ہیں۔ یعنی سمندر میں نمکین پانی نے میٹھے پانی کا احاطہ کیا ہوا ہے مگر دونوں حد میں رہتے ہیں۔ درمیان میں ایسی باڑ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔

''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا ہے کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔'' (الرحمٰن: ۱۹۔۲۰)

دوسری بات یہ ہے کہ ہر شے توانائی پر قائم ہے۔ توانائی کی اسپیس پھیلتی اور سمٹتی ہے۔ پانی میں کھارا اور میٹھا دونوں ہیں۔ کھارے پانی میں مٹھاس کو اس حد تک پھیلا دیا جائے کہ وہ نمکین پانی کے ذرّات پر غالب ہوجائے تو پانی میٹھا ہوجائے گا۔

جس طرح ایٹم میں توانائی ذخیرہ ہے، اسی طرح مٹھاس کا ایٹم بھی ''مٹھاس'' ہے جس میں توانائی بند ہے۔ ایٹم کھول دیں، مٹھاس پھیل جائے گی۔

حضرت میراں زنجانیؒ نے پانی میں نمک کی مقدار مغلوب کر کے مٹھاس کی مقدار غالب کر دی۔

پردیس سے تین افراد نے حضرت میراں زنجانیؒ کی شہرت سن کر کہ آپ اللہ کے دوست ہیں، کاروبار میں خیر و برکت کی دعا کے لئے حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ راستے میں ان میں ایک کا حلوا کھانے کو جی چاہا۔ سفر میں حلوا کیسے ملے؟ دوسرا بولا، آم کھانے کو جی چاہتا ہے لیکن آم کی فصل نہیں ہے۔ تیسرے نے پکوڑے کھانے کی خواہش کی۔

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ہم تھوک فروش ہیں، کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ نفع و برکت عطا فرمائے۔

آپ نے دعا کے بعد مہمان نوازی کے طور پر کھجوریں پیش کیں۔ جس نے حلوے کی خواہش کی تھی اس سے فرمایا کہ یہ حلوا ہے۔ آم کی خواہش کرنے والے سے فرمایا، یہ آم ہے اور تیسرے سے فرمایا، پکوڑے کھاؤ۔ وہ حیران ہوئے کہ کھجوریں ــــ حلوا، آم اور پکوڑے کس طرح ہو سکتی ہیں؟ منہ میں ڈالتے ہی سب نے حسب منشا ذائقہ محسوس کیا۔

یہ کرامت بھی معین مقداروں کے علم سے متعلق ہے۔ کھجور کی مقداریں پکوڑے، آم اور حلوے سے الگ ہیں۔ حلوا، آم اور پکوڑے بھی منفرد مقداروں کا مظہر ہیں۔ جناب عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''روحانیت میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تصرف۔ جس طرح اللہ نے ''کُن'' کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے، زمین پر اللہ کا نائب بھی اپنے ذہن کو حرکت دے کر اللہ کی تخلیق میں تصرف کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ذات سے ہم رشتہ ہیں۔ ہر شے ہر شے کے اندر موجود ہے مقداروں کے ساتھ۔ ان مقداروں کی کمی بیشی سے ہمیں چیزیں الگ الگ نظر آتی ہیں۔ پانی میں مٹھاس اور نمک دونوں ہیں۔ مٹھاس زیادہ ہو جائے پانی کڑوا ہو جاتا ہے۔ اور کڑواہٹ کی مقداریں کم ہوں گی تو پانی میٹھا ہو جائے گا۔''

خوراک کی مذکورہ چیزیں مختلف عناصر اور تناسب کی یکجائی ہیں۔ ان سب میں کُن کی مقداریں کام کرتی ہیں۔ بندہ کُن کے قانون سے واقف ہو تو وہ کھجور میں کسی بھی شے کا ذائقہ پیدا کر سکتا ہے۔

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے مقداروں میں تخلیق کی اور ان مقداروں میں توازن پیدا کیا۔'' (الاعلیٰ: ۱۔۳)

تسخیر کائنات کے حامل بندے اللہ کے فضل و کرم سے معین مقداروں کے علم سے واقف ہوتے ہیں۔

''ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کا سب۔'' (الجاثیہ:۱۳)

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ نے کتاب ''لوح و قلم'' میں سونے (Gold) اور پانی کا فارمولا لکھا ہے۔

سونا = حس زرد رنگ + سخت + چکنا + چمک + ٹھوس پن

پانی = حس سفید رنگ + آبی + پتلا + بکھرنے والی + عکاس + پھیکا + حسِ بو + ہلکی بھاری گوارا ناگوار آواز + آر پار + ہلکا + سرد + گرم + حرکتِ کلّی + بہنا + اڑنا + چپک

مقداروں کی کمی بیشی سے تخلیقات کیسے وجود میں آتی ہیں، اس بارے میں تسخیر کائنات کے علم سے واقف اللہ کے دوست فرماتے ہیں،

''سونے (Gold) کے لئے پانچ معین مقداریں ہیں اور گیرو کے لئے چار مقداریں معین ہیں۔ سونے کو گیرو بنانے کا فارمولا یہ ہے کہ سونے کی مقداروں میں سے ایک مقدار کم کردی جائے۔ گلاب کے پھول میں چھ معین مقداریں کام کرتی ہیں۔ جب کہ سیب کے پھول میں نو (9) معین مقداریں کام کرتی ہیں۔ اگر سیب کے پھول کی معین مقداروں میں سے تین کم کر دی جائیں تو سیب کا پھول، گلاب کا پھول بن جاتا ہے۔ اور اگر گلاب کے پھول میں تین مقداروں کا اضافہ کردیا جائے تو گلاب کا پھول، سیب کا پھول بن جاتا ہے۔ یہ ایک پورا تخلیقی نظام ہے جو اللہ نے ان لوگوں کو سکھایا ہے جو لوگ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور صاحبِ تکوین ہیں۔''

(کتاب: محمد رسول اللہؐ جلد دوم)

پیرومرشد نے لاہور جانے کا حکم دیا۔ آپ ایران سے جلال آباد اور جلال آباد سے پشاور آئے۔ لاہور پہنچنے سے پہلے راستے میں جس مقام پر قیام کیا وہاں لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ کسی جادوگر کے معتقد ہیں جو جادو کے ذریعے منہ سے آگ نکالتا ہے۔

حضرات میراںؒ نے لوگوں کو حق کی دعوت دی۔ لوگوں نے جادوگر کی وجہ سے انکار کردیا۔

جادوگر کو آمد کا علم ہوا تو کبر و نخوت سے کہا کہ کون ہمیں درویشی کا زور دکھانے آیا ہے۔ میں اسے مانوں گا جو مجھے زیر کرے۔ وہ حضرت میراںؒ کے پاس آیا۔

حضرات میراںؒ نے فرمایا، سنا ہے کہ تم منہ سے آگ نکالتے ہو، ہمیں بھی کمال دکھاؤ۔

جادوگر نے منہ سے آگ نکالی — حضرت میراںؒ نے اللہ کا نام لے کر آگ پر پھونک ماری، جادوگر کا تصرف استدراج کی وجہ سے قائم تھا — ختم ہوگیا۔

استدراج اور کرامت میں فرق ہے۔ استدراج شیطنت کے تحت ہے اور اس کا اثر محدود ہے۔ کرامت کا تعلق رحمانی طرزِ فکر سے ہے۔ اس کا اثر جب تک صاحبِ تصرف چاہے، قائم رہتا ہے۔

جادوگر نے سارے منتر پڑھنے کے بعد ناکامی پر بالآخر بے بسی تسلیم کی۔ معافی مانگی — حضرت میراںؒ نے معاف کردیا۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ لاہور پہنچے۔ رہائش کے لئے آبادی سے فاصلے پر جگہ پسند کی جہاں فضا پُرسکون اور خلوت کی سہولت تھی۔ روحانیت میں اندر باہر خاموشی گراں قدر نعمت ہے لیکن فقیر جس جگہ قیام کرتا ہے،

وہاں شہر بس جاتا ہے۔

علاقے میں لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت میراںؒ نے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ ابتدا میں خاطر خواہ کامیابی نہ ملی تو ایک روز خود سے کہا،

''اے نفس! تو ابھی کم زور اور خام ہونے کی وجہ سے زبان کی تاثیر اور علم کی شمشیر کے جوہر دکھانے سے قاصر ہے۔''

مرشد کا حکم تھا، کوشش جاری رکھی۔ تین سال گزرنے کے بعد کشف کے ذریعے درخواست کی،

''کیا میں اسی طرح بے نیلِ مرام پھرتا رہوں گا۔ دعا کریں کہ اللہ مجھے مشن میں کامرانی عطا کرے۔''

حضرت ابوالفضل ختلیؒ نے فرمایا،

''بیٹا! تمہارا امتحان لینا مقصود تھا۔ صبر سے کام لو اور پریشان حال لوگوں کی خدمت کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ محنت انشاءاللہ ثمر بار ہوگی۔''

حضرت میراں زنجانیؒ نے خدمت خلق کے ذریعے لوگوں کو قریب کیا۔ عقیدت مندوں کا دائرہ بڑھا اور شہرت خاص و عام میں پھیل گئی۔

لاہور میں رام چند رنامی امیر شخص رہتا تھا۔ عالی شان مکانات اور زمینیں ملکیت تھیں۔ اسے کوڑھ ہوگیا۔ بہت علاج کرایا لیکن مرض پھیلتا گیا۔ بدحالی اس حد تک پہنچی کہ لباس پہننے سے قاصر ہوگیا۔ جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھتے تھے۔ اپنے — بیگانے ہوگئے۔

حضرت میراںؒ کی شہرت سن کر رام چند رحاضر ہوا۔ آپ نے بدبو کی پروانہ کرتے ہوئے پانی دم کر کے تین روز تک پینے کو دیا۔ کوڑھ ختم ہوگیا۔ آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر رام چند رعقیدت مندوں میں شامل ہوگیا۔

تخلیق پانی سے ہوئی ہے۔ پانی شفا اور ہر مرض کی دوا ہے۔ اس میں ایسے معدنیات شامل ہیں جو مردہ اور بیمار جلد کو زندگی بخشتے ہیں۔

''پانی جس کو آسمانی کتابوں نے 'ماء' کہا ہے ہر ڈائی میں خدوخال کے ساتھ مظاہرہ کرتا ہے۔ پانی رب ذوالجلال کا عطیہ ہے۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے تو کنوئیں کا پانی میٹھا ہے، دریا کا پانی مٹیالا ہے تو چشموں کا پانی موتی کی طرح شفاف اور چمک دار ہے۔ پانی کائنات کے ہر یونٹ کے لئے حیات ہے۔ شریانوں، وریدوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ آدمی جو تناول کرتا ہے، شیر جو کھاتا ہے، چڑیا جو چگتی ہے، مچھلی جو پیتی ہے، سب میں تین حصے پانی ہے۔ پانی نطفہ ہے۔ پانی علق ہے۔ پانی مضغہ ہے۔ پانی لوتھڑا ہے۔ پانی عضو کی تشکیل ہے اور پانی جسم ہے۔ پانی زندگی ہے اور پانی سے قطع تعلق موت ہے۔''

(کتاب: صدائے جرس)

کسی نے پوچھا، دنیا کیا ہے —؟

حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے فرمایا،

''دنیا دریا کی مانند ہے۔ دریا کا کنارہ آخرت ہے۔ تقویٰ کی کشتی کے بغیر دریا پار نہیں ہوتا اور تقویٰ ماسوا

سے ذہن کو پاک رکھنا ہے۔''

ایک مرید باتیں بہت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا،

جانتے ہو آدمی زیادہ باتیں کیوں کرتا ہے؟

وہ خاموش رہا۔ فرمایا،

''جب قوتِ عمل اور اطاعت کا جذبہ نہ ہو۔

عشق الٰہی بے کار باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔

عشق کی فطرت انہاک ہے۔

محبوب کی ہستی میں انہاک!''

حضرت میراں زنجانیؒ سب کو محنت کی تلقین فرماتے۔ کام خود کرتے تھے۔ سائل در سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا البتہ صحت مند شخص کو مانگتا دیکھتے تو فرماتے،

''جس قوم میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوم کی دولت روز بروز زوال پذیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے یقین کی تکمیل نہیں ہوتی اور یقین بے یقین ہو جاتا ہے۔''

بے یقینی بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے اور نفسیاتی عوارض کا سبب بنتی ہے۔

ایک شاگرد نے پوچھا، آدمی بزدل کیوں ہوتا ہے اور بہادر کیسے بنتا ہے.....؟ آپ نے فرمایا،

''دنیا کی محبت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔ جب آدمی کے اندر کھو دینے کا احساس غلبہ پاتا ہے تو وہ خود کو کم زور محسوس کرتا ہے۔ تم خود کو کھو دو، بہادر ہو جاؤ گے۔''

حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا ایک شاگرد کسی کام سے کشتی کے ذریعے دریائے راوی کے دوسرے کنارے پہنچا۔ کام ختم کر کے واپس دریا کی طرف آ رہا تھا کہ آندھی آئی، بارش ہوئی اور طوفان کا سماں ہو گیا۔ موسم کی خرابی کے باعث کوئی کشتی چلانے پر تیار نہ ہوا۔ آگے دریا، پیچھے ہیبت ناک جنگل تھا۔ وہ کشمکش و پنج میں مبتلا تھا کہ کسی کی موجودگی محسوس ہوئی ــــ پیچھے مڑ کر دیکھا، درندہ تھا۔ فوراً اللہ سے مدد مانگی۔

درندہ قریب آ رہا تھا۔

اتنے میں پیر و مرشد کی آواز آئی ــــ اللہ کا نام لے کر آنکھیں بند کر لو۔ دوبارہ حکم ہوا، اب کھول دو۔ آنکھیں کھولیں تو جنگل اور دریا پیچھے رہ گئے تھے اور وہ مرشد کے حجرے میں موجود تھا۔

ٹائم اور اسپیس کا قانون اہم ہے۔ ٹائم اور اسپیس کا علم حاصل ہو تو اسپیس تابع ہو جاتی ہے۔ زمین اسپیس ہے۔ اسپیس پر فاصلہ وقت کے دائرے میں طے ہوتا ہے۔ آدمی چلتا ہے تو زمین پیروں سے لپٹتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں چل رہا ہوں لیکن یہ زمین ہے جو اسے آگے دھکیلتی ہے۔ زمین کے لپٹنے کی رفتار بڑھا دی جائے کم وقت میں زیادہ فاصلہ طے ہوتا ہے۔ چوں کہ مرید کی روحانی سکت اس قانون کی متحمل نہیں تھی، پیر و مرشد نے اسے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا۔ زمین پیروں سے کیسے لپٹی اور وہ مرشد کے حجرے تک کیسے پہنچا ــــ یہ راز ہے۔

عرفان بیگ

گڑانبہ

میرے آبائی گھر کے سامنے دریا بہتا ہے۔ چوں کہ گرمیوں میں پیاس کا تقاضا بڑھتا ہے اس لئے دریا کا ٹھنڈا پانی پی کر جان میں جان آتی ہے۔ گاؤں والے گھر اور دکان سے باہر پانی سے بھری صراحیاں رکھتے ہیں۔ بارش ہو جائے تو گیلی مٹی کی سوندھی خوش بو وجود میں سرایت کر کے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔

تغیر کی ابتدا کائنات کے ظہور سے ہے۔ ہر چند متغیر ہونے کے باوجود فرد اپنے اندر باہر بروقت تمیز نہیں کرتا کہ وہ ردّوبدل سے گزر رہا ہے۔ تغیر ہوتے ہوتے معقول زمانہ گزر جاتا ہے پھر سمجھ میں آتا ہے کہ فی الواقع کیا تبدیلی ہوئی۔ تب جا کر ذہن نشین ہوتا ہے کہ کوئی لمحہ ردّوبدل سے خالی نہیں۔

ہمارے سامنے پیدائش، جوانی اور بڑھاپا روشن مثال ہیں کہ آدمی ذہنی وجسمانی طور پر فطرتاً یکساں حالت میں نہیں رہتا۔ جسمانی تغیر سے دنیاوی نظام میں تسلسل ہے۔ یہی تغیر ذہن میں ہو تو نگاہ کھلنے کے بجائے محدود رہتی ہے۔ ذہن میں تغیر کو نشوونما نہ سمجھا جائے۔ نشوونما کے معنی ایک شے کے پھلنے پھولنے کے ہیں۔ ذہنی تغیر سے مراد وسوسے ہیں۔

نظام میں ردّوبدل کا براہ راست تعلق موسم سے ہے۔ ایک وقت میں ایک مقام پر سارے موسم نمایاں نہیں ہوتے، ترتیب وار ظاہر ہوتے ہیں۔ چوں کہ جسمانی نظام کو واقعات سے متواتر گزرنے کی عادت ہے اس لئے موسم کے ردّوبدل میں گھنٹوں سے لے کر دنوں اور مہینوں کا فرق ہے۔

آدمی جسمانی تغیر فوری طور پر سمجھے یا نہ سمجھے، موسم میں تغیر محسوس کر لیتا ہے۔ ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ موسم کے تغیر کی رفتار جسم کے تغیر سے تیز ہے۔ اس بارے میں حتمی بات صاحبِ نظر بتا سکتے ہیں۔

موسم میں تبدیلی کا باطنی میکانزم محسوس ہو یا نہ ہو، خارجی اثر سب دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ کیوں نہ اس پر لطیف پیرائے میں کچھ لکھا جائے۔ اگرچہ اپریل کا مہینہ ہے اور دنیا کے بیش تر ملکوں بالخصوص ایشیائی ممالک میں جاڑا (سردی) ختم ہو چکا ہے، میں موسم گرما سے پہلے سرما کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

تیسری جماعت کی یہ نظم سب کو یاد ہوگی،

جاڑا دھوم مچاتا آیا
کپڑے گرم پہناتا آیا
کیسی ہوا ہے سر سر سر سر
کانپتے ہیں سب تھر تھر تھر تھر
سورج بھی چھپ جاتا ہے جلدی
لگتی ہے اس کو بھی سردی
ہا ہا ہا ہا ہو ہو ہی ہی
ہائے رے سردی ہائے رے سردی
سارے بدن میں برف سی بھردی

ہم انوکھے لوگ ہیں۔ سردی آتی ہے، گرمی یاد کرتے ہیں، گرمیاں ہوتی ہیں، سردی یاد آتی ہے۔ ایک حالت پر قائم نہ رہنا افتادِ طبیعت ہے۔

میری جوانی سرد اور دیہی علاقوں میں گزری ہے۔ جاڑے کے دنوں میں ہم گرمیاں یاد کرتے اور سورج جیسی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ صبح ہوتے ہی سب کی نگاہیں مشرق کی طرف چلی جاتیں۔

محققین نے ذہن میں بٹھا دیا ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اب سورج جس سمت سے نکلے، دنیا کے ہر خطے میں شہری اور دیہی لوگ بغیر تحقیق کے اس سمت کو مشرق سمجھتے ہیں۔ فضا میں سمتوں کا تعین کیسے ہوسکتا ہے۔ کوئی سند ہے کہ جس کو مشرق سمجھ لیا گیا ہے، وہ مشرق ہے ــــ؟

دلچسپی نہ ہو تو ایک منظر بار بار دیکھنے سے اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ گرمیوں میں مشرق سے طلوع ہونے والے جس سورج کی طرف کوئی دیکھتا نہیں، سردیوں میں وہی سورج محبوب ہوجاتا ہے۔

گاؤں میں پردۂ مشرق سے خورشید نمودار ہوتے ہی سب کی بانچھیں کھل جاتیں، صحن میں چارپائیاں بچھتیں اور بچے بڑے سب دھوپ سینکتے۔ رات بھر سردی میں اکڑے لوگ خوب دھوپ کھانے کے بعد کام کے قابل ہوتے تھے ورنہ مٹھیاں کھلتیں نہ انگلیاں سیدھی ہوتی تھیں۔ سورج ڈھلنے سے پہلے آگ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھتے یا کمروں میں غائب ہوجاتے۔

بڑی بوڑھیاں مٹی کی انگیٹھیاں بناتی ہیں اور اس میں دو کوئلے ڈال کر گھر میں ہر پلنگ کے نیچے رکھ دیتی ہیں۔ روئی جس کو دیکھ کر گرمی لگتی ہے، سردی میں حرزِ جاں بن جاتی ہے۔

سردیوں میں ہاتھ پیر جم جاتے ہیں مگر ان دنوں کا اپنا لطف ہے۔ جسم اور زمین کو اس موسم کی ضرورت ہے اسی لئے قدرت اسے ہر سال دہراتی ہے۔ سردیوں کی اپنی سوغاتیں ہیں۔ گرم تاثیر کی حامل اشیا جن کو گرمیوں میں کھانے سے عموماً گریز کیا جاتا ہے، سردیوں میں بصد شوق کھائی جاتی ہیں۔

موسمی پھل اور خشک میووں کے علاوہ سردیوں میں پسند کئے جانے والے کھانوں میں حلیم، بیسن کی روٹی، ماش کی کھچڑی پر اصلی گھی، شب دیگ، نورتن قورمہ بتھوے کی روٹی، گوبھی اور دال کے پراٹھے، مکئی، جو کی

روٹی، سرسوں، مولی اور چنے کا ساگ، گاجر کا حلوا، انڈے کا حلوا، دیوانی ہنڈیا، پائے، تل کے لڈو، یخنی، قہوے وغیرہ شامل ہیں۔ کھانوں کی خوش بو پڑوسیوں تک پہنچتی اور ان کی بھوک بھی بڑھ جاتی۔

موسم سرد ہے تو آگ راحتِ جاں ہے اور موسم گرم ہے تو آگ چولہا یا تندور ہے۔ سینے میں بھڑک جائے تو ''اندر میں'' جلتا ہے۔ جب تک خاکستر نہ کردے، بے چین رکھتی ہے۔ راکھ نما خاک سے کوئی سُرمہ بنانے والا ہو تو یہی خاک آنکھوں کی زینت بن جاتی ہے۔

خاک و آگ کے عجب روپ ہیں۔ آگ غالب ہوتی ہے، آدمی جلتا ہے۔ خاک غالب ہونے سے خاکساری پیدا ہوتی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ خاک میں سڑاند ہے لیکن سوال یہ ہے کہ خاک میں سڑاند کب پیدا ہوئی — ؟ جب آدمی کے لباس کے لئے خاک کا انتخاب ہوا۔ خاک نے خاکساری سے ذمہ داری قبول کر کے ایثار کیا۔ ایثار — خوش بو ہے۔ ایثار کے سبب محبّ سے محبوب کی خوش بو آتی ہے۔ آدمی پر منحصر ہے کہ وہ خاک میں خوش بو اپنا لے یا بدبو بن جائے۔ بہرحال خاک ہو یا آگ — ضرورت کسی نہ کسی طرح ہر موسم میں ہے۔

گرمی — حرارت میں آگ کی ایک شکل ہے۔ مخلوق میں آگ و خاک کے ساتھ پانی بھی ہے۔

قدرت نے متفرق مقداروں کو اس تدبیر سے مرکب کیا ہے کہ خاک میں آگ اور پانی ہونے کے باوجود ایک کو دوسرے پر غلبہ نہیں۔ درمیان میں آہنی دیوار ہے نہ تانبے کا پردہ حائل ہے۔ خمیر جس تدبیر سے بنایا گیا ہے اس میں ہر ایک دوسرے کی حد ہے۔

سورج اور آگ کی قدر و منزلت کسے نہیں۔ جاڑے میں وہ لوگ بھی ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں جنہیں احساس نہیں ہوتا کہ غذا میں سورج کا کتنا عمل دخل ہے۔ سردی بڑھنے سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، گرمی میں اضافے سے بلبلا اٹھتے ہیں۔

قدرت کی صناعی ہے کہ عالمین میں نظم و نسق کا سلسلہ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کی مقداریں معین کی ہیں۔ جیسے ہی موسم میں شدت پیدا ہوتی ہے، جسم اور طبیعت برداشت نہیں کرتے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ یہی طبیعت اپنے مزاج کی بے اعتدالی کو گوارا کرلیتی ہے۔

موسم سرما میں نیند سے جاگنے کا خیال نہ منزل کا ملال! دیہات میں سردی شہروں کی نسبت شدید اور طویل ہوتی ہے۔ طوالت و شدت سے متاثر ہوکر بالآخر لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ

؎ کیا موسم بہار آئے گا باغ میں

اللہ اللہ کر کے چار مہینے سردیاں گزارنے کے بعد دانتوں کا بجنا رکتا ہے۔ رات کی طوالت اور دن کا

اختصار موقوف ہوتا ہے۔ آفتاب جلدی رخصت ہونے کے بجائے صبح کے تقریباً پانچ بجے سے شام چھ بجے تک ڈیرا ڈال لیتا ہے۔ من کو تغیر پہلے پہل خوب بھاتا ہے لیکن جب پسینہ بہنا شروع ہوتا ہے تو آفتاب کی رونمائی ناگوار اور شب کی طوالت خوش گوار محسوس ہوتی ہے۔ جاڑے میں آفتاب کے نکلنے کی آرزو میں سویرا کرتے ہیں، گرمیوں میں اس کے ڈوبنے کی تمنا میں شام کر دیتے ہیں۔

جاڑوں کی صبح عجب خاموش ہوتی ہے۔ فضا میں سرد مہری سی دبی رہتی ہے۔ گاؤں تو گاؤں — بڑے شہروں میں کارخانوں کی مشینوں میں تیل جم جاتا ہے۔ اس کے برعکس موسم گرما کی صبح رونق افروز ہے۔ ہر طرف اجلا سویرا اور گھر کی چھتوں پر شاما کا بسیرا۔

کہیں ہے نغمہ زا بلبل ہیں شاما ہیں کہیں دھیر
کہیں چنڈول اڑتا اور گاتا ہے بلندی پر

شاما سیاہ رنگ کی خوش الحان چڑیا ہے۔ صبح صادق ہوئی نہیں کہ شاما نے نغمہ سرائی شروع کی۔ پیاری آواز گرمیوں میں دماغ کو تازگی اور دل کو فرحت بخشتی ہے۔ سویرا ہونے سے پہلے سواریاں نکلتی ہیں اور جب منزل پر پہنچتی ہیں تو ہر سو اجالا ہوتا ہے۔ بڑے بزرگ نہا کر اجلے لباس میں ہاتھ میں چھڑی لئے گھر سے نکلتے ہیں، دوست احباب میں بیٹھتے ہیں۔ کوئی ندی کنارے چہل قدمی کرتا نظر آتا ہے اور کوئی سبزہ زار پر ٹہلتا ہے۔ پھولوں کے تازہ زیور حویلیوں میں پہنچتے ہیں۔

میرے آبائی گھر کے سامنے دریا بہتا ہے۔ چوں کہ گرمیوں میں پیاس کا تقاضا بڑھتا ہے اس لئے دریا کا ٹھنڈا پانی پی کر جان میں جان آتی ہے۔ گاؤں والے گھر اور دکان سے باہر پانی سے بھری صراحیاں رکھتے ہیں۔ بارش ہو جائے تو گیلی مٹی کی سوندھی خوش بو وجود میں سرایت کر کے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔

گرمیوں کا موسم سال میں ایک بار نصیب ہوتا ہے۔ جدھر دیکھیں پھول کھلے نظر آتے ہیں۔ مہک دماغ کو تروتازہ اور معطر کر دیتی ہے۔ زمین سے کونپلیں پھوٹتی ہیں اور پھول بن جاتی ہیں۔ پھول پھلوں کو ساتھ لاتے ہیں، کچے پھل پکتے ہیں اور پکے ہوئے پھل غذا بن جاتے ہیں۔ میٹھے تو میٹھے، تلخ و ترش بھی میٹھے ہو جاتے ہیں جیسے کیری کا آم بننا۔ گھنے درخت سخت گرمی میں زمین کو تمازتِ آفتاب سے بچاتے ہیں۔

شہر ہو یا دیہات — گرمی سردی کے دیسی کھانے تقریباً یکساں ہیں۔ جیسے گرمیوں میں دال چاول، کڑھی، سبزیاں، بھجیا، پلاؤ، کھنڈوی، آلو بڑیوں کا سالن، دہی کے ساتھ روٹی یا چاول، دہی پھلکی، پنیر، منگوچیاں، گڑ انبہ (گڑ اور کیری کو ملا کر پکاتے ہیں، کلونجی بھی ڈالتے ہیں) جوار کی روٹی پیاز اور لسّی کے ساتھ۔ مختلف اقسام کی چٹنیاں جن میں ناریل کی چٹنی اور پودینے کی چٹنی بطور خاص شامل ہیں۔

سلاد اور رائتا گرمی میں کھانوں کا لازمی حصہ ہے۔

لوکی کا رائتا ، کھیرے، ککڑی، بینگن، آلو اور پودینے کا رائتا۔ یہ گرمیوں میں روٹی اور چاول دونوں کے ساتھ پسند کئے جاتے ہیں۔

لوکی کے رائتے کی ترکیب آپ بھی آزما سکتے ہیں۔

طریقہ ــــ لوکی چھیل کر ابال لیں۔ گل جائے تو پانی چھان لیں۔ اب لوکی میں دہی، پودینہ، ہری مرچ اور نمک ڈال کر بلینڈ کر لیں۔ سفید زیرہ اور ثابت لال مرچ سے بگھار دیں۔ لوکی کا رائتا تیار ہے۔ گرمی میں سبزیوں کا کسی بھی شکل میں استعمال ضرور کریں۔

مشروبات میں لسّی، فالسے، تربوز، لیموں اور گنے کا شربت، املی اور آلو بخارے کا شربت، ناریل کا پانی، ستّو، ٹھنڈائی (دودھ اور خشخاش سے بنتا ہے) وغیرہ شامل ہیں۔ فہرست طویل ہے۔ لکھتے لکھتے منہ میں پانی آ گیا۔ کھانے پینے کا شوقین ہوں، میری معلومات اس معاملے میں خواتین سے کم نہیں۔ چٹورے لوگوں کی تان کھانے پر آ کر ٹوٹتی ہے، میرا حال بھی ان جیسا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے آدمی، حیوانات اور تمام مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یہ نعمتیں مفت حاصل ہیں۔ زمین ان کی قیمت وصول نہیں کرتی نہ آدمی زمین کو معاوضہ دیتا ہے۔ وہ بڑی سے بڑی قیمت دے کر زمین سے گندم کا دانہ نہیں اگا سکتا۔ اس کے باوجود آدمی ناشکری کرتا ہے۔ اس کے خیالِ خام میں حیات کا مقصد محض کھانا پینا ہے۔

سترھویں صدی تھی۔ دارالحکومت دہلی میں شاہ جہاں تخت نشیں تھا۔ وبائی زکام پھیل گیا۔ شاہی خانساماں اور شاہی حکیم نے مل کر وبا کے توڑ کا حل نکالا کہ ایسا کھانا بنایا جائے جو جسم کو گرم اور توانا رکھے۔ لہٰذا بڑی بڑی دیگوں میں مرچ مسالے ڈال کر پوری رات ہلکی آنچ پر گوشت پکایا گیا۔ کھانا شب دیگ کے نام سے مشہور ہوا۔

آم گرمیوں کا پھل ہے۔ روایت ہے کہ جہانگیر اور شاہ جہاں خانساموں کو آم پنّا، آم کالوز اور آم کا پلاؤ بنانے پر انعامات سے نوازتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ جہاں کو آم اتنے مرغوب تھے کہ آموں کی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے اورنگ زیب کو نظر بند کر دیا تھا۔ ہوا یہ کہ بیٹے نے ایک بار سارے آم اپنے محل میں چھپا لئے تھے۔ آم کے لئے بادشاہ بھی بچہ بن جاتا ہے۔ اورنگ زیب نے ایران کے شاہ عباس کی تخت کے لئے ایک لڑائی میں اپنی حمایت کا اعلان آم بھیج کر کیا۔

جاڑے میں جاڑے کی قدر نہ تھی، گرمی میں گرمی کی قدر نہیں۔ جاڑے میں گرمیاں یاد آتی ہیں، گرمیوں میں جاڑا یاد آتا ہے۔ ہر موسم کے اپنے رنگ اور اپنی سوغات ہے۔ زمین اور جسم کو ان کی ضرورت ہے۔ سردی چیزوں کو مرکب رکھتی ہے، گرمی تحلیل کرتی ہے۔ تحلیل و ترکیب میں توازن سے نظامِ زندگی جاری ہے۔

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلوسبز

کراچی	021-36039157	فیصل آباد	041-8540132	پشاور	03219110156
حیدر آباد	0222781798	لاہور	03224112737	مانسہرہ	03005621447
میر پور خاص	03133508543	راولپنڈی	051-5169242	مظفر آباد	05822446661
ڈگری	03453700144	اٹک	03135168800	میر پور	03455701558
ملتان	03006338192	ہری پور	03135914147		

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

جاننے کے لئے علم کے زیور سے آراستہ ہونا ضروری ہے کیوں کہ علم کے بغیر شے کی تعریف، ساخت، فریکوئنسی یا اس کی خصوصیت کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں علم کو نور اور جہالت کو تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن غور وفکر اور تحقیق کا درس دیتا ہے علم کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے۔ جب اللہ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا تو زیورِ علم سے آراستہ کیا۔ علم کی فضیلت پر فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کی پہلی وحی ''اقرا'' سے شروع ہوئی ــــ ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے تخلیق کیا۔''

عمل ــــ علم کے تابع ہے۔ شعور کا تقاضا ہے انسان اللہ کی ہستی کو پہچانے۔ جو لوگ خالق سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے، ان کی حیثیت چوپایوں سے بدتر ہے۔ (مرسلہ: شگفتہ زیب۔ پشاور)

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ والدین سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے اپنی اولاد کو کیا کھلایا، کیا پلایا اور کیسا لباس پہنایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ والدین کے رزق کے ساتھ ساتھ اولاد کا رزق بھی عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ پوچھیں گے کہ تم نے اولاد کی تربیت کیسی کی؟ اولاد کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ آپ اولاد کو بار بار ڈانٹنے، جھڑکنے اور برا کہنے سے گریز کریں۔ ان کی شرارتوں، کوتاہیوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے محبت کے ساتھ انہیں سمجھائیں کہ وہ اچھی باتیں اختیار کریں۔ بچوں کو وقت دیں۔ ان کے ساتھ دوڑیں، کھیل میں شریک ہوں۔ ان کے دوست بنیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ تمام صفات والدین کے اندر موجود ہوں۔

(مرسلہ: محمد شعیب۔ لاہور، کتاب: وقت)

تاریخ کے نام پر کتابوں کے اتنے انبار لگا دیئے ہیں کہ اگر ان کتابوں کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو سمندر میں جزیرہ بن جائے گا۔ ان اربوں کھربوں کتابوں کے مطالعے سے یہ نتیجہ اختراع کیا گیا ہے کہ زمین پر تین زمانے محیط ہیں۔

۱۔ ماضی ۲۔ حال ۳۔ مستقبل

بڑے بڑے دانش ور، فلسفی، حکما، محقق، ماہر نفسیات، ماہر ارضیات اور نہیں معلوم کتنے شعبوں کے ماہرین یہ بات ثابت نہیں کر سکے کہ تین زمانے یعنی ماضی، حال اور مستقبل کی حیثیت کیا ہے؟

کیا واقعی زمین ان تین دائروں میں مقید ہے؟

کیا فردان دائروں میں بند ہے؟

(مرسلہ: عفان سلیم۔دبئی، کتاب: قوسِ قزح)

تصوف چار ارکان پر مشتمل ہے۔

۱۔شریعت ۲۔طریقت ۳۔معرفت ۴۔حقیقت

شریعت بمنزلہ نسخہ ہے۔طریقت نسخے پر عمل کرنے کا نام ہے۔معرفت اس روشنی کا نام ہے جو عمل کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور حقیقت وہ چیز ہے جو معرفت کی روشنی میں نظر آتی ہے۔ (مرسلہ :احد عبدالمتین۔کراچی، کتاب: دانش عرب وعجم)

پیاز (Onion) لیجئے۔اس کے پرت اتاریئے۔ پرت اتارنے کے بعد پیاز کے بالکل وسط میں ایک ڈنٹھل ملے گا۔اس ڈنٹھل کے ساتھ پیاز کے سارے پرت چپکے ہوئے ہوتے ہیں۔یہی مثال روح کی ہے۔ ڈنٹھل کو اگر روح مان لیا جائے تو پرت ایک صلاحیت ہے۔جس طرح پیاز کے ہر پرت میں پیاز کی خاصیت موجود ہے اس طرح روح کا ہر پرت اللہ کی صفت کا مظہر ہے۔روح عورت، مرد نہیں ہوتی۔ روح کے پرتوں کا الگ الگ مظاہرہ مذکر اور مونث کے روپ میں ہمیں نظر آتا ہے۔ (مرسلہ: عفت جہاں۔کراچی، کتاب: ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

خوابوں کے ذریعے انسان کو ان حادثات سے محفوظ رہنے کے اشارات ملتے ہیں جو مستقبل میں پیش آتے ہیں۔احتیاطی تدابیر اختیار کر کے ان حادثات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔بعض اوقات غیر ارادی طور پر بیداری میں چھٹی حس آنے والے حادثات سے خبردار کر دیتی ہے۔سب کی توجیہ ایک ہے کہ ذہن ایک لمحے کے لئے شعور سے نکل کر لاشعور کی حدود میں داخل ہوتا ہے اور آنے والے واقعات کو محسوس کر لیتا ہے۔چھٹی حس کی بیداری پر مراقبہ (یکسوئی کی مشق) کے ذریعے غلبہ حاصل کر کے ارادے کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے تو بیداری کی حالت میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(مرسلہ: عائشہ حسن۔اسلام آباد)

بی بی انور ادھا
(یو اے ای)

جسے دل کہتے ہیں

دوسروں سے توقعات رکھنا کہ وہ تعریف کریں گے اور جذبات کا خیال رکھیں گے، خود کو ناختم ہونے والی پریشانی اور تناؤ کے گرداب میں گرفتار کرنا ہے۔ توقعات پوری نہ ہونے سے گلے شکوے پیدا ہوتے ہیں، ہم دوسروں کے رویوں اور خلوص پر شک کرتے ہیں اور قیاس کر کے چائے کی پیالی میں طوفان لے آتے ہیں۔

میں بیکری کے سامنے کھڑی تھی۔ تازہ روٹی کی خوش بو پھیلی ہوئی تھی اور سانس کے ذریعے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ شیشے کے دوسری طرف خمیر سے تیار شدہ انواع و اقسام کی چیزیں دیکھ کر بھوک لگی۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ان میں سے کون سی خریدوں۔

ساتھ آئی دوست نے کہا، جانتی ہو ماحول میں پھیلی ہوئی خمیری اشیا کی خوش بو اصلی نہیں، مصنوعی ہے اور اشیا بھی اصل نہیں ہیں؟

میں حیران رہ گئی۔ کمروں میں خوش بو کے لئے پھلوں اور پھولوں کے اسپرے کا علم تھا، کھانے پینے کی اشیا کا اسپرے بننا میری معلومات میں اضافہ تھا۔

میں شیشے کے قریب گئی۔ غور سے دیکھنے پر ان کے مصنوعی ہونے کی تصدیق ہوئی۔ خمیری اشیا مہارت سے بنائی گئی تھیں، اصل اور نقل میں فرق مشکل تھا۔ میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔

تعجب ہوا کہ میں اصل اور نقل میں فرق کیوں نہیں کر سکی؟ کس وجہ سے ماحول میں پھیلی ہوئی خوش بو اور سامنے موجود نقلی خمیری اشیا کو حقیقت قیاس کیا؟

دو وجوہات سمجھ میں آئیں۔

۱۔ خوش بو کا کردار

۲۔ دور سے دیکھنا

ادراک ہوا کہ میں فکشن حواس کی گرفت میں ہوں۔ میری حسِ شامہ فکشن پر مبنی ہے اور بینائی کی حس اصل اور نقل میں فرق کرنے سے قاصر ہے کیوں کہ میں فکشن کے زیر اثر ہوں۔ دور سے خمیری شے تازہ نظر آنے میں اہم کردار خوش بو نے ادا کیا۔ خوش بو کے زیر اثر ہو کر میں نے ان چیزوں کو حقیقت سے تعبیر کیا۔ یہ میری فہم و نظر کا دھوکا تھا۔

وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کہیں میں دیگر معاملات میں بھی اسی طرح قیاس سے کام تو نہیں لیتی؟ جب غیر حقیقی شے کو حقیقی سمجھ سکتی ہوں

پھر کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ میں سنتی، دیکھتی اور محسوس کرتی ہوں، وہ حقیقت ہے ——؟

آدمی فطری دنیا سے غافل ہوکر اپنے ذہن کی دنیا میں جیتا ہے۔ سب کی طرزِ فکر الگ ہے۔ آنکھ طرزِ فکر کے لینس کے مطابق منظر دکھاتی ہے اور حقیقت پس پردہ چلی جاتی ہے۔

واپسی کے دوران دوست نے بتایا کہ آج کل وہ اپنے اندر سے تعفن زدہ چیزیں نکال کر خود کو بہتر کرنے کی تگ و دو میں ہے۔ اشارہ منفی جذبات اور تصورات کی طرف تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کی باتیں سنیں، کہا کچھ نہیں کیوں کہ بیکری کے تجربے کے بعد سے میں خود آگہی کے حصار میں تھی۔

گھر پہنچنے کے بعد دن بھر کی روداد ذہن میں گردش کرتی رہی۔ میری دوست نے منفی جذبات کو بدبودار اور تعفن زدہ چیزوں کے ڈھیر سے منسوب کیا۔

خیال آیا کہ بیکری کے باہر خوش بو اور خوش نما خمیری چیزوں کا حقیقی نظر آنا الوژن ہے۔ ہم میں اور بیکری میں رکھی ہوئی خمیری اشیا میں کیا فرق ہے؟

خمیر بدبو کا نام ہے۔ بدبو سے خوش بو کیسے آئے؟

مگر ہمیں خمیری اشیا میں خوش بو محسوس ہوتی ہے۔

کیا ہم بدبو کو خوش بو سمجھتے ہیں؟

ہم بھی خمیر کی پیداوار ہیں اور ذوق و شوق سے خود پر قسم قسم کی خوش بویات کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔

ہمیں خوش بو لگانے کی ضرورت کیوں ہے ——؟

کیا یہ جسم میں تعفن کے ڈھیر کو چھپانے کی کوشش ہے جو منفی رویوں سے جمع ہو گیا ہے ——؟

جس طرح بیکری والے نے مصنوعی خوش بو کا سہارا لیا، ہم بھی مصنوعی خوش بو سے اپنے اندر کی بدبو چھپا کر خود کو دھوکا دیتے ہیں۔

ہمارے اندر تعفن کا ڈھیر اس لئے ہے کہ ہم درگزر اور نظرانداز کرنے کی صفات سے عاری ہیں جس کی وجہ سے غیرضروری باتیں حذف کرنے کے بجائے انہیں جمع کرتے رہتے ہیں۔ سالوں بعد یاد آجاتا ہے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا، مجھے نقصان پہنچایا تھا، تضحیک یا سخت لہجے میں بات کی تھی۔

منفی واقعات کا ذخیرہ لینس بن جاتا ہے اور ہر شے کو قیاس کی نظر سے دکھا کر ہمیں دھوکے میں رکھتا ہے۔ ردعمل میں ہم اپنے ذہن کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بالآخر توجہ غیرحقیقی چیزوں کو حقیقی سمجھتی ہے۔ قیاس کی یہ کیسی دیوار ہے جسے ہم ہر روز اور ہر وقت اپنے مقابل کھڑی کر دیتے ہیں ——؟

قیاس کی دیوار بدبودار کہانیوں کا ڈھیر ہے۔ بدبودار کہنے کی وجہ خمیر ہے۔ خمیر جراثیم سے مرکب ہوتا ہے اور جراثیم ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پھیلتے ہیں۔ منفی خیالات بھی جراثیم کی طرز پر کام کرتے ہیں۔ وسوسے سے شروع ہوتے ہیں، تیزی سے پھیلتے ہیں اور جال

بنا کر شکنجے میں لے لیتے ہیں۔

کیا مثبت خیالات بھی اس تیزی سے پھیلتے ہیں؟

بالکل! مثبت خیالات بھی تیزی سے پھیلتے ہیں۔

دونوں میں توانائی کارفرما ہے۔ ہم توانائی منفی باتوں میں صرف کرتے ہیں اس لئے ہمیں لگتا ہے کہ وہ مثبت کے مقابلے میں تیزی سے پھیلتی ہیں۔ مثبت کو کم توانائی دیتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں کہ آدمی منفی چیزوں کی طرف جلدی راغب کیوں ہوتا ہے۔

اچھائی اور برائی دو بیج ہیں۔ جس بیج کو کھاد اور پانی دیا جاتا ہے، وہ درخت بن جاتا ہے۔ ہمیشہ اپنے اندر دیکھنا چاہئے کہ میں کہاں پر کیا غلط کر رہا ہوں اور کون سے بیج کو پانی دے رہا ہوں۔

خیالات کا جال ٹوٹنے سے قیاس پر قائم دیوار بکھرتی ہے۔ بظاہر موٹی اور سخت نظر آنے والی دیوار کو توڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر یہ جن چیزوں سے بنی ہے، اس کی فراہمی روکنے سے دیوار گر جاتی ہے۔

تقریباً ہر فرد منفی خیالات کے گرداب میں ہے اور نقل کو اصل سمجھتا ہے۔ یہ سوچ دیوار بن کر سمجھ بوجھ پر غالب ہوتی ہے اور ''اصل'' دیوار کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔ الہامی کتب بتاتی ہیں کہ دنیا کی زندگی فریب اور دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور اے نبیؐ! انہیں حیات دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پود خوب گھنی ہوگئی۔ اور کل وہی نباتات بھس بن کر رہ گئی جسے ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں باقی رہ جانے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔'' (الکھف: ۴۵۔۴۶)

ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ جانا جائے، تعریف و تحسین ہو اور لوگ اسے کامیاب تسلیم کریں۔ فرض کریں کہ آپ نے گھر کی صفائی کی اور نفاست سے سجایا ہے۔ کیا آپ دوسروں سے نہیں کہتے کہ میں نے گھر صاف کیا ہے، دیکھو کتنا اچھا لگ رہا ہے ــــ؟

تعریف و تسلیم کی خواہش مزید حاصل کرنے کی طلب پیدا کرتی ہے۔ دوسروں سے توقعات رکھنا کہ وہ تعریف کریں گے اور جذبات کا خیال رکھیں گے، خود کو ناختم ہونے والی پریشانی اور تناؤ کے گرداب میں گرفتار کرنا ہے جب کہ توقعات پوری نہ ہونے سے گلے شکوے پیدا ہوتے ہیں، ہم دوسروں کے رویوں اور خلوص پر شک کرتے ہیں اور قیاس کر کے چائے کی پیالی میں طوفان لے آتے ہیں۔ یہ نقل کو اصل دیکھنا ہے۔

نقل ہماری منفی سوچ ہے جس کی بنیاد شک، وسوسے اور تغیر پر قائم ہے۔ اصل ان صفات کے برعکس ہے۔

خام خیالی اور پراگندہ خیالات کی دوا کیا ہے اور نقل

کواصل سے الگ کرنے والی سوچ کیسے حاصل ہو؟

روحانی تعلیمات پر تفکر سے علم کے جو موتی میرے دامن میں آئے، ان میں سے چند آپ کی نذر کرنا چاہتی ہوں تاکہ ہم اور آپ سکون سے واقف ہوں۔

اللہ محیط ہے: آسمان وزمین اور ان کے درمیان ہر تخلیق اللہ کے نور سے بنی ہے۔ جب ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے پھر منفی باتیں یاد رکھنے کے بجائے ذہن اللہ کی طرف مرکوز کریں۔ اس طرز فکر سے حاصل ہونے والی خوشی میں تغیر نہیں ہوتا۔ ذہن نشین کرنے سے کہ ہر عمل اللہ کی طرف لوٹتا ہے، ہم کسی کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ ہمارے اندر فطرت سے ہم آہنگی پیدا ہوگی۔

بدلنے والی شے حقیقی نہیں: خود سے سوال کریں کہ جن چیزوں سے ہم متاثر ہوتے ہیں کیا ان میں تغیر ہے — ؟ کیوں کہ تغیر پذیر صفت حقیقت سے دور ہے، چاہے احساس ہو، رویہ ہو، فرد ہو یا کوئی شے۔ آج جس شخص سے ہم ملے، یہ وہ نہیں ہے جس سے ہم کل ملے تھے۔ خود ہم وہ نہیں رہے پھر کسی کو گزرے ہوئے کل کی بنیاد پر کیسے پرکھیں۔ سو یاد رکھیں، جس فرد سے ہم آج ملے، یہ وہ نہیں جس سے گزشتہ روز متاثر ہوئے تھے۔ جس سے ناراضی تھی، کل کے ساتھ وہ بھی گزر گیا ہے۔

پھر ہم کس سے ناراض یا پریشان ہیں؟

کس سے لڑ رہے ہیں؟

وہ — > جو موجود نہیں ہے — ؟

شکوہ — بہتے دریا میں سے قطرہ پکڑنے کی کوشش جیسا ہے۔ جو پانی ہاتھ سے گزر گیا، دوبارہ نہیں آتا۔ وہ مستقل بہہ رہا ہے، ہر لمحہ تغیر سے گزر رہا ہے۔

''اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے، ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی دارِ آخرت ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔'' (العنکبوت: ٦٤)

تغیر کا تعلق جسم، ذہن اور جذبات سے ہے۔ جسمانی طور پر دور ہونے سے تعلق ختم نہیں ہوتا۔ ہم فی الوقت اسے دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن وہ موجود ہے، ہماری آنکھوں سے دور لیکن کسی اور کی نظر کی پہنچ میں ہے۔ ہر تخلیق کی کنہ میں ایک شے ایسی ہے جو ردّوبدل سے پاک ہے — اور وہ نور ہے! اگر ہم تخلیقات کی اصل پر توجہ دیں تو ہر شے ''خوش بو'' ہے۔

انبیائے کرام کی تقلید کرنا: علم کے تیسرے موتی کا تعلق عمل سے ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے جو عمل کیا ہے، اسے اپنالیں اور جس بات سے منع کیا ہے، اسے نہ کریں۔ انبیائے کرام (messengers) کی زندگی کو مطمحِ نظر بنانے سے صحیح اور غلط کا فرق واضح ہوتا ہے۔ بندے کا طرز عمل، انبیائے کرام کی طرز حیات سے ہم آہنگ ہو تو قربت مشاہدہ بن جاتی ہے۔

رحمانی اور شیطانی طرز فکر میں تمیز: اللہ کے حکم اور تدبیر و تنظیم کے تحت ہر شے برسرِ عمل ہے۔ البتہ اللہ نے

ہمیں صحیح اور غلط میں تمیز کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ جو شے اللہ پسند فرماتے ہیں اس کے اندر رحمانی تحریکات ہوتی ہیں — ناپسندیدہ عمل میں شیطانی تحریکات ذخیرہ ہیں۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں دہرانی چاہئے کہ کیا اللہ کو یہ عمل پسند ہے —؟

ہمارے اندر ایسا میکانزم ہے جو صحیح اور غلط میں فرق بتاتا ہے۔ نظامِ زندگی بہت سادہ ہے اس لئے ادھر ادھر توجہ بانٹنے کے بجائے سماعت اس آواز کی طرف مرکوز کردیں جس کی راہ نمائی الٰہی قانون سے ہم آہنگ ہے۔

ضرورت سے زیادہ کوشش یقین سے دوری ہے:

کسی چیز کے پیچھے بار بار بھاگنے اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرنے کے باوجود پسندیدہ نتائج نہ حاصل ہونے کا مطلب ہے کہ ہمارے اندر یقین کی کمی ہے اور ہم اپنی پسند کے نتائج چاہتے ہیں۔

ایمان سے بھرپور شخص کی زندگی آسان نہیں ہوتی لیکن مومن شکایت نہیں کرتا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ کم زور ایمان کا حامل شخص اس حقیقت کو نہیں مانتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زندگی مصائب کا لبادہ ہے۔ حل یہ ہے کہ بندہ خود کو اللہ کے سپرد کرے۔ اللہ کی مشیت پوری ہوتی ہے۔ جب بندہ اللہ کے حکم کے خلاف نہیں جاتا تو اس کے اندر سے خود غرضی ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ اس سے راضی ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کی رضا میں راضی ہوجاتا ہے۔

''اے نفسِ مطمئنہ! چل اپنے رب کی طرف، وہ تجھ سے راضی، تو اس سے راضی۔ شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔'' (الفجر:۲۷۔۳۰)

جن تعلقات سے دل پر بوجھ پڑے، وہ حقیقت سے ہم رشتہ نہیں ہیں: وہ رشتہ جو ہمیں اللہ کے قریب نہ لائے، فریب کے سوا کچھ نہیں۔ جو تعلق جذباتی یا منفی کشمکش میں مبتلا کرے، اس کے پیچھے شیطانی تحریکات ہیں۔ اللہ کے دوست بندے کو کم گو، تفکر کا عادی، خوش اور اللہ کا دوست بناتے ہیں۔ ان لوگوں سے تعلقات بنائیں جن کا اللہ سے تعلق مضبوط ہے۔

اپنے خواب پر توجہ دیں: علم کے سمندر میں سے ایک موتی یہ ہے کہ اپنے خواب کے رجحانات پر غور کریں۔ اگر زندگی بظاہر سازگار نہیں لیکن خواب مثبت ہیں تو سمجھ جائیں کہ راستہ درست ہے۔ اور جو لوگ بظاہر پُرآسائش زندگی گزار رہے ہیں لیکن خواب منفی ہیں تو اس کا مطلب ہے ان کا حقیقت سے قلبی ربط نہیں ہے۔ خواب دراصل زندگی کو جانچنے کا آلہ ہے کہ ہمارا وقت کس ذہنی کیفیت میں گزرتا ہے۔ اچھے خواب کی لہریں بندے کو خوش رکھتی ہیں۔

زندگی قدم قدم پر ہمیں سکھاتی ہے، خود پر سے پردہ اٹھاتی ہے، اپنی حقیقت بتاتی ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم دیکھتے ہو۔ میں وہ ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔

میں نے بیکری کے باہر مصنوعی خوش بو کی لہر محسوس

کر کے زندگی کے اہم سبق کا مشاہدہ کیا کہ قیاس حقیقت کیسے نظر آتا ہے۔ ہم دونوں خمیر کا لبادہ ہیں اور دونوں میں تعفن ہے۔ جب انسیت پیدا ہوتی ہے تو تعلق خوش گوار ہوتا ہے، اسی مثل پر تعفن سے انسیت اسے ہمارے لئے خوش بو بنا دیتی ہے۔ مصنوعی خوش بو نے وجود میں سرایت کر کے میرے اندر فکشن فہم کو تقویت دی کہ میں اصل ہوں۔

راقم الحروف کی ایک نظم کا ترجمہ پڑھیں۔

''میں''۔۔۔ زندان کی دیواروں کو صاف کرتی ہے،
انہیں شفاف کر کے چمکاتی ہے
تا کہ اس میں داخل ہونے والے یہ سمجھیں کہ
یہ ایک خوب صورت عمارت ہے،
ایک مفروضہ ہے کہ ہم یہاں مستقل قیام کریں گے،
بے وقوف ''میں''، نہیں جانتی کہ وہ
جلاوطنی کو مزید طول دے رہی ہے
جلاوطنی کی قید چند سانسوں پر مشتمل ہے
سو اللہ سے اپنی نافرمانی کی معافی مانگو
اور اس کی طرف رجوع کرو
کیوں کہ یہی راستہ ہے جس سے رہائی ممکن ہے،
دوست! اب بھی وقت ہے
تم جان لوگے کہ یہ زندان کی دیواریں
تمہارا جسم ہے
جس کے اندر خوب صورت وجود ایستادہ ہے
جسے دل کہتے ہیں۔

جو دیپ تھا نگاہ کی پرچھائیوں میں تھا
عالم ہی اور تھا جو شناسائیوں میں تھا
جو دیپ تھا نگاہ کی پرچھائیوں میں تھا

وہ بے پناہ خوف جو تنہائیوں میں تھا
دل کی تمام انجمن آرائیوں میں تھا

اک لمحۂ فسوں نے جلایا تھا جو دیا
پھر عمر بھر خیال کی رعنائیوں میں تھا

اک خواب گوں سی دھوپ تھی زخموں کی آنچ میں
اک سائباں سا درد کی پروائیوں میں تھا

دل کو بھی اک جراحت دل نے عطا کیا
یہ حوصلہ کہ اپنے تماشائیوں میں تھا

کٹتا کہاں طویل تھا راتوں کا سلسلہ
سورج مری نگاہ کی سچائیوں میں تھا

اپنی گلی میں کیوں نہ کسی کو وہ مل سکا
جو اعتماد بادیہ پیمائیوں میں تھا

اس عہد خود سپاس کا پوچھو ہو ماجرا
مصروف آپ اپنی پذیرائیوں میں تھا

اس کے حضور شکر بھی آساں نہیں ادؔا
وہ جو قریب جاں مری تنہائیوں میں تھا

عالم ہی اور تھا جو شناسائیوں میں تھا
جو دیپ تھا نگاہ کی پرچھائیوں میں تھا

(کلام: ادؔا جعفری)

SEARLE

CANDEREL

کینڈرل

پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں **کینڈرل** چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ **کینڈرل** بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ **کینڈرل** کے ساتھ

STARCREST

PAKISTAN'S FIRST ISO CERTIFIED LEADING IVF & GENETICS INSTITUTE

AUSTRALIAN CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER
Established Since 1998

ACIMC 22nd ANNIVERSARY CELEBRATIONS

کیا آپ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں؟

اولاد کا حصول ممکن ہے

آج ہی **فری کنسلٹیشن** کے لئے رابطہ کریں

2020

SCAN ME

ACIMC KARACHI HEAD OFFICE

32-A, BLOCK-5, KEHKASHAN, CLIFTON, NEAR BILAWAL CHOWRANGI, BEHIND BBQ TONIGHT, KARACHI, PAKISTAN 74400

LAHORE ISLAMABAD HYDERABAD
SUKKUR NAWABSHAH GAMBAT
MULTAN QUETTA RAHIM YAR KHAN
GUJRANWALA FAISALABAD LARKANA

: 0309-333-2229 (BABY)

UAN : 0304-111-2229 (BABY)

www.acimc.org info@acimc.org AUSTRALIANCONCEPT

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرو لال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرو لال کی وجہ سے حادثہ پیش آ گیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

بزرگ خاتون نے شہزادے کی سرجری شروع کی۔ وہ جس مہارت سے سرجری کر رہی تھیں، معاونین کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ سیاہی مائل سرخ خون سوئی کے سرے پر نمودار ہوا تو بزرگ خاتون کے اشارے پر خادم نے احتیاط سے برتن نیچے رکھ دیا تاکہ خون برتن میں گرے۔

شاہی طبیب اور جراح نے پہلے سے تیار کردہ محلول بزرگ خاتون کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے نالی کے ذریعے منہ سے معدے میں پہنچایا۔ بزرگ خاتون نے یہ محلول صفائی اور احتیاط سے دواؤں کی مقداروں میں تناسب کا خیال رکھتے ہوئے تیار کیا تھا۔ پھر زخم پر کافور میں لپٹی روئی کا پھایا رکھ کر پٹی کر دی۔ شہزادے کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھ دیا گیا۔

جسم سے رسنے والا زہریلا خون آہستہ آہستہ بوند

بوند برتن میں جمع ہو رہا تھا۔ دوسری طرف دوا کی مقدار شہزادے کے معدے کے ذریعے جسم میں جذب ہو رہی تھی۔ جراح اور طبیب دونوں بزرگ خاتون کی طبی مہارت سے بہت متاثر ہوئے۔ لچھاوی نے محل میں بزرگ خاتون کے بارے میں منفی خبریں پھیلائی تھیں جس کی آج نفی ہوگئی۔

قدیم دور میں جدید دور جیسی سرجری کا عمل حیرت انگیز تھا۔ ہم قدیم سے قدامت پسندی مراد لیتے ہیں جب کہ اس کے معنی آج سے صدیوں پہلے گزرا ہوا دور ہے۔ اس زمانے میں موجودہ دور سے زیادہ ترقی ہو چکی ہے۔ بہرحال طبیب اور جراح روانہ ہوئے البتہ طبیب نے سب سے نظر بچا کر ایک رقعہ بزرگ خاتون کی طرف بڑھایا جس میں محل میں چوکنا رہنے کی تلقین تھی۔ بزرگ خاتون کو سازشوں کا ادراک شاہی طبیب سے زیادہ تھا۔ انہوں نے سر کو ہلکی جنبش دے کر شکریہ ادا کیا۔

لچھاوی کو اس بات سے غرض نہیں تھی کہ شہزادہ زندہ رہے یا مر جائے، اس کا مسئلہ بزرگ خاتون تھیں جو شہزادے کا علاج کر کے بادشاہ کڈفیز کے لئے اہم ہوگئی تھیں۔ محل کے مناظر فلم کی مانند میری نظروں سے گزر رہے تھے۔ ذہن خواب کے حواس میں داخل ہو کر میلوں دور محل کا اندرونی منظر دیکھ رہا تھا کہ اچانک مکروہ چہرہ لچھاوی سامنے آئی۔ بکھرے ہوئے سیاہ بالوں نے چہرے کو ڈھانپا ہوا تھا۔ ان میں سے جھانکتی وحشت ناک سفید آنکھوں پر نظر پڑتے ہی جھرجھری آ گئی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خواب کے حواس میں مجھے اپنا وجود دکھائی نہیں دیا۔ لچھاوی بھی مجھے دیکھنے سے قاصر تھی البتہ ایسا لگا کہ وہ میرے دیکھنے کو دیکھ رہی ہے۔ غراتی ہوئی آگے بڑھی اور ہتھیلی میری آنکھوں پر سختی سے جما دی۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ میں نیند میں اچھل کر بیٹھ گئی۔ بہت دیر تک اس کے ہاتھ کا دباؤ اور ناخنوں کی چبھن چہرے پر محسوس ہوئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا رہا پھر رفتہ رفتہ اثرات زائل ہو گئے۔

رات کا آخری پہر تھا۔
مجھ پر گھبراہٹ طاری تھی۔
بستر سے اٹھ کر مشعل روشن کی۔

دل چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر کھلی فضا میں گہرے سانس لوں۔ عصا اٹھایا اور چادر اوڑھ کر باہر نکلی۔ سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔ آج پہاڑی سیکاڈا (گانے والا حشرہ) پر سکوت طاری تھا۔ شاید گانے والے حشرات سو گئے تھے۔ خالی الذہنی سے اطراف کا جائزہ لیا۔ گھبراہٹ کم ہوئی اور آہستہ آہستہ پھولی ہوئی سانسوں میں توازن پیدا ہوا۔

زندگی خیالات کے دھارے پر رواں دواں ہے۔
مرزا غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے کہ
''عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے''
خیالات پر کون پہرے بٹھا سکتا ہے۔ آدمی چاہے

طلسم زدہ ہو، کسی خاص فکر کا مبلغ ہو، مخصوص نظریے کا حامل ہو یا شدت سے رسم و رواج کا قائل ہو، خیالات روکنے پر قدرت نہیں رکھتا تاہم مثبت و منفی خیالات نظرانداز کرسکتا ہے۔ کوئی خیال میں خود کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی ایک خیال میں بے خیال ہوکر منتشر کرنے والے خیالات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

چاروں طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی جنگلات میں درندوں، چرندوں، حشرات اور پرندوں کا بسیرا تھا۔ میں بے خوف و خطر سر سے پیروں تک چادر نما چولے میں ملبوس، ہاتھ میں عصا پکڑے، ٹہلتے ہوئے کافی دور نکل آئی تھی۔ ذہن دوری اور قربت، خوف اور بے خوفی کے احساس سے عاری تھا۔

سوچ کی دھارا میں بہتے ہوئے، فاصلے کا احساس نہیں ہوا۔ پہاڑ کی ترائی میں واقع گھنے جنگل سے پگڈنڈی پر چلتے چلتے کافی دور نکل آئی۔ راستے میں کسی درندے سے سامنا نہیں ہوا۔

حالات کا رخ ایسا تبدیل ہوا کہ جدید دور کی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سینکڑوں سال پرانی تاریخ کا حصہ بن گئی۔ اب ہاتھ میں عصا اور جسم پر چادر نما چولا میری پہچان تھا۔ لوگ مجھے بی بی کے نام سے جانتے تھے۔ آرکیالوجسٹ ردا کی شخصیت مغلوب ہوگئی تھی۔ مجھ پر ماضی کے اثرات کا دباؤ تھا نہ مستقبل کے ثمرات کی فکر تھی۔ بس دو باتیں ذہن میں تھیں۔

۱۔ اپنی ذات کی کھوج

۲۔ مقصد کے حصول کی فکر جس کی وجہ سے میرا وجود صدیوں کی زد میں تھا۔

لاشعوری کیفیات میں رہنے کی وجہ سے مجھے سکت کے مطابق بزرگ خاتون سے متعلق معلومات حاصل ہوئی تھیں اس لئے تخیل کا آئینہ اب بھی گرد آلود تھا۔

بزرگ خاتون جنہیں میں عمر رسیدہ سمجھ رہی تھی، وہ حسین و جمیل دوشیزہ تھیں۔ اجلا رنگ، سرخی مائل سنہرے بال جیسے کسی کا روانِ حسن کی قائد ہوں۔ محل میں ان کی موجودگی کا سبب جوبی پہاڑ کے باسیوں کو بادشاہ کڈفیزز کے قہر سے بچانا تھا۔

انہیں بزرگ کہنے کی وجہ ان کا روحانی تشخص تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بادشاہ کڈفیزز دندان کے ذریعے محنت کش کسانوں کے کھیت کھلیانوں کو آگ لگادے۔ دندان جیسا شیطان صفت شخص آگ کی آڑ میں جو کھیل کھیلتا، اس سے جوبی پہاڑ کے باسی اجڑ جاتے۔

خیالات کا سیل رواں تھا جس میں بہتے ہوئے میں ماحول سے غافل ہوکر اندھیرے جنگل میں کہاں سے کہاں آگئی۔ بیگانگی کی کیفیت تھی۔

خیالات کی ڈور اس وقت ٹوٹی جب سماعت نے دائیں بائیں ہونے والی سرسراہٹ کی اطلاع دماغ کو دی۔ دماغ چوکنّا ہوا تو بین بجنے کی ہلکی آواز سنائی دی جیسے دو سپیرے بیک وقت مختلف ردھم میں تواتر سے

بین بجا رہے ہوں۔ ساتھ ہی پیروں کے نزدیک سے گزرتے ہوئے سانپوں کی سرسراہٹ نے ہیبت ناک تاثر قائم کر دیا۔ محسوس ہوتا تھا کہ سانپوں کی آبادی میں سپیروں نے داخل ہو کر کہرام مچا دیا ہے۔

خوف سے عاری ذہن میں تجسس پیدا ہوا۔ قدم خود بخود آواز کی سمت اٹھنا شروع ہوئے۔ عصا سے حسب معمول خطرے کی موجودگی میں ہلکا کرنٹ محسوس ہوا۔ فاصلہ سمٹنے کے ساتھ ماحول میں بے چینی، سانپوں میں ہلچل اور بین کی بھیانک آواز کا شور بڑھ رہا تھا۔

نزدیک پہنچنے پر عجیب منظر دیکھا۔ کھلی صاف جگہ پر دو سپیرے ترتیب اور تواتر سے مخصوص انداز میں بین بجا رہے تھے جب کہ تیسرے سپیرے کے آگے بڑے برتن میں سبز و نارنجی رنگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ تیسرا سپیرا بین بجانے کے بجائے منتر کی تکرار کے ساتھ قریب رکھے سفوف میں سے تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک مٹھی آگ میں ڈالتا — آگ کا رنگ کچھ دیر کے لئے سبز سے جامنی ہو جاتا اور تیز بو پھیلتی۔

ماحول میں پھیلی بدبو اسی سفوف کے جلنے کی تھی۔ غالباً سفوف میں پوٹاشیم شامل تھا کیوں کہ یہ جلنے پر جامنی آگ دیتا ہے۔ تانبا جلتا ہے تو آگ میں سبز رنگ ظاہر ہوتا ہے۔

تکون کے درمیان کا منظر بھی ہیبت ناک تھا۔ بیچوں بیچ ناگ جس کے پانچ منہ تھے، پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ دونوں سپیرے بین بجانے میں مست تھے۔ تیسرا سپیرا توجہ سے منتر کے جاپ میں مشغول تھا۔

اس قسم کے ناگ سے پہلی مرتبہ واسطہ پڑا۔ غالباً قدیم زمانے میں اس کی نسل معدوم ہو گئی تھی۔ ناگ کے پانچ منہ کے دائیں بائیں دو مزید چھوٹے منہ تھے جو بظاہر نامکمل دکھائی دیئے۔ یعنی ناگ کم عمر تھا۔ لمبائی کے ساتھ چوڑائی زیادہ تھی۔ شکل و شباہت انڈین بلیک کوبرا سے ملتی تھی۔ سیاہ رنگ پر سبز دھاریوں نے اسے خوب صورت بنا دیا تھا۔ اس منظر سے قریب بسنے والے سینکڑوں مختلف النسل سانپ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ وہ یہ جگہ چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔

میں فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ کیا کروں۔ تینوں سپیرے پنج منہ ناگ کو قابو میں کرنے کے لئے مشقت میں مصروف تھے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ میں ناگ کو بچانے کی خاطر سپیروں کی محنت ضائع کر دوں؟ شش و پنج کا شکار تھی کہ وہی رس گھولتی آواز ابھری۔

''اے نیک دل! کسی مخلوق کو دوسری مخلوق کی آزادی سلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ خواہش عام آدمی کی ہو سکتی ہے، انسان کی نہیں۔ آدمی اور انسان میں بہت فرق ہے لیکن آدمی اور حیوان میں فرق نہیں۔''

حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ قدیم زمانے کا پدم ناگ آہستہ آہستہ منجمد ہو رہا تھا۔ یہ معمولی ناگ نہیں تھا۔ سپیرے اسے مفلوج کر کے قید کرنے میں آدھے سے زیادہ کام یاب ہو گئے تھے۔ گویا پدم ناگ کا آدھا

جسم لکڑی اور پتھر کی مانند بے جان اور سخت ہو چکا تھا۔

مخفی آواز کے ذریعے مجھے مداخلت کا اشارہ ملا۔

میں نے عصا پر گرفت مضبوط کی۔ راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھ کر منتر جنتر والے سپیرے کی پشت پر ہلکی ضرب لگائی تو وہ تڑپنے لگا۔ چیخوں سے باقی دونوں سپیرے بین بجانا بھول گئے اور اچھل کر کھڑے ہوئے۔ وہ حواس باختہ تھے۔

تیسرا سپیرا بمشکل کھڑا ہو کر کمر سہلانے لگا۔ ناگ استغراقی کیفیت سے باہر آ چکا تھا مگر منجمد جسم کی وجہ سے ہلنے سے قاصر تھا۔ تینوں سپیروں کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے۔ انہوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تاکہ بھاگ سکیں۔ انہیں اندازہ تھا کہ یہاں سے فرار آسان نہیں۔ دائیں بائیں سانپوں کی بستی منظّم ہونا شروع ہو گئی تھی۔

میں نے برہمی سے پوچھا، میری قیام گاہ کے نزدیک یہ سب کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ تینوں نے گھگیائے ہوئے لہجے میں کہا، بی بی! ہمیں معاف کر دیں۔

دوسری جانب مفلوج جسم کی وجہ سے مضطرب ناگ، بار بار سروں کو دائیں بائیں زمین پر پٹخ کر پھنکار رہا تھا۔ جادوئی اثرات توڑنے کے ارادے سے عصا مفلوج حصے پر پھیرا تو جسم معمول پر آ گیا۔ ہر منہ مکمل ناگ کی صورت، ناگ کے جسم سے علیحدہ ہوا جس سے سات ناگ ظاہر ہوئے، دو چھوٹے اور پانچ بڑے۔

میرے لئے یہ سب شدید حیرت کا باعث تھا۔ وہ سپیروں کے اطراف میں پھیل کر انہیں ڈس لینے کے درپے تھے۔ جنگل کے اندھیرے اور سناٹے میں ان کی پھنکار، غیظ و غضب کا احساس دلا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ ناگ سپیروں کو ڈستے، میں نے روکنے کے لئے ان پر توجہ مرکوز کی۔ ان میں قدرے بڑا ناگ سامنے آ کر بڑی کنڈلی کے ساتھ پھن کاڑھے خاصا اونچا ہو کر بیٹھ گیا۔

میرے کچھ کہنے سے پہلے تعظیم سے سر کو کئی بار جنبش دی۔ وہ سپیروں کو سزا دینے کے لئے اجازت کا متمنی تھا۔ تعظیم کا مطلب تھا کہ وہ مجھ سے واقف ہے۔

مشاہدہ ہوا کہ کائنات کا ہر فرد دوسرے سے منسلک ہے۔ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کائنات کا خالق ایک ہے اور افرادِ کائنات کا آپس میں علمی اور صفاتی اشتراک ہے۔ جیسے پیاس تمام نوعوں میں مشترک تقاضا ہے۔ ہر نوع کا ہر فرد، خواہ شیر ہو، بلی ہو، بکری ہو یا آدمی، وہ جانتا ہے کہ پیاس کے تقاضے کی تسکین پانی سے ہے۔

دوسری مثال بصارت کی دی جا سکتی ہے۔ شیر، بلی، بکری یا آدمی درخت کو درخت دیکھتے ہیں۔ یعنی جسم میں پیدا ہونے والے تقاضے اور تقاضوں کی تسکین کے لئے قائم حواس کا نظام تمام نوعوں میں علمی اور صفاتی اشتراک رکھتا ہے۔ یہ اشتراک افرادِ کائنات میں مخفی رشتے کی کنہ ہے۔

پدم ناگ ''بھیم سارا'' سپیروں کو سزا دینے کی اجازت کا طلب گار تھا۔سپیروں نے سانپوں کی بستی میں داخل ہوکر نظام متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔ سپیرے خوف کے عالم میں ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ بھیم سارا نے سزا یا معافی کا اختیار مجھے سونپ دیا۔

ساتوں ناگ ایک مرتبہ پھر ضم ہو گئے۔

میں نے تینوں سپیروں پر ذمہ داری عائد کی کہ وہ تین دن تک ایک ایک من دودھ روزانہ سانپوں کی بستی میں پہنچائیں۔سپیروں کی جان میں جان آئی۔

بھیم سارا نے خوش دلی سے تجویز کردہ سزا قبول کرتے ہوئے ایک قوی اور طویل ناگ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ سپیروں کو بحفاظت بستی سے باہر چھوڑ آئے۔

سپیروں کو روانہ ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ نزدیک موجود بڑے غار میں سے ایک اور دیوہیکل ناگ برآمد ہوا۔اس کے بھی سات منہ تھے۔بھیم سارا کے مقابلے میں اس کی جسامت دگنی تھی۔ عام آدمی دیکھ لے تو خوف سے بے ہوش ہوجائے۔ غار سے برآمد ہوتے ہی سانپوں میں سنسنی پھیل گئی۔

ناگ بھیم سارا سمیت تمام سانپوں نے سرزمین پر رکھ دیئے۔ دیوہیکل ناگ شاہانہ انداز میں رینگتا ہوا میرے مقابل آیا۔ ادب سے سر کو جنبش دی۔ بھیم سارا کے ساتھ سانپوں کی بستی کو بچانے پر شکریہ ادا کرکے غار میں چلنے کی درخواست کی کہ مہمان نوازی کا موقع دیا جائے۔اس کا نام شاہ سرپ ککولا تھا۔

شاہ سرپ ککولا— کا غار اس کے دل کی مانند کشادہ تھا، صاف ستھرے رنگ رنگ سانپوں سے سجا ہوا۔ سانپ غار میں ابھرے ہوئے پتھروں میں سے لچھوں کی مانند لٹکے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ گچھوں کی صورت میں تیز سفید روشنی کا انعکاس کرنے والے کیڑوں سے غار روشن تھا۔سرمئی سنگلاخ چٹان میں بنا یہ غار دراصل سرپ ککولا کا محل تھا۔

بڑے پتھر پر اس کا تخت تھا۔ دائیں بائیں تخت کی مانند چھ چھوٹے ہموار پتھر رکھے تھے۔تخت کے دونوں جانب غار کی دیواروں میں ترتیب سے سات دروازے تھے۔غالباً یہ غار کے اندر غار تھے۔

شاہ سرپ نے مجھ سے تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی۔میرے بیٹھتے ہی سارے سانپ صف آرا ہو گئے۔ یہاں جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے، میٹھے پانی کے جھرنوں اور آبشاروں میں نشوونما پانے والے تقریباً ہر قسم کے سانپ موجود تھے۔

بھیم سارا کی طرح شاہ سرپ کا جسم سات ناگوں میں تبدیل ہوا اور تخت کے اطراف میں بنے چھوٹے ہموار پتھروں پر کنڈل مار کر بیٹھتا گیا۔اس طرح چھ ناگ دائیں بائیں پتھروں پر بیٹھ گئے۔اب درمیان والا منہ ایک بڑے ناگ کی صورت سامنے موجود تھا— حیرت انگیز منظر میرا منتظر تھا۔ (قسط: ۱۰)

دورنگی = عام روشنی
یک رنگی = لیزر بیم

تیز آواز میں سائرن بجاتی ایمبولینس اسپتال کے ایمرجنسی ایریا میں داخل ہوئی۔عملہ تیزی سے حرکت میں آیا۔مریض بے ترتیب سانسیں لے رہا تھا۔عملے نے ایمبولینس سے نکال کر اسٹریچر پر منتقل کر کے تیزی سے انتہائی نگہداشت کے وارڈ کا رخ کیا۔مریض کی نبض ڈوب رہی تھی — سانس رک رہی تھی۔

جان بچانے کے لئے جو چیز لگائی گئی وہ حیات بخش ہوا (آکسیجن ماسک) تھی۔

دوستو! معاشرے اور اقوام عالم کی موجودہ صورت حال اس مریض کی ہے جو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں نزع کی حالت میں ہے۔

اسپتال میں مریض کو حیات بخش ہوا لگا دی گئی۔

کیا معاشرے کی درستی کے لئے کوئی حیات بخش ہوا یا صحت یابی کے لئے معاون ادویات ہیں — ؟

ان دنوں محترم عظیمی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ''محمد رسول اللہؐ جلد سوم'' زیر مطالعہ ہے جس میں انبیائے کرام کے حالات و معجزات اور معجزات کی سائنسی وروحانی توجیہ بیان کی گئی ہے۔حضرت داؤدؑ کے واقعات پڑھتے ہوئے ذہن ''لیزر شعاعیں'' کے باب پر مرتکز ہوا اور سوال کا جواب مل گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ عام روشنی میں سات رنگ یکجا ہیں۔اسے منشور (پرزم) میں سے گزارا جائے تو سات رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے۔اس کے برعکس لیزر یک رنگ شعاع ہے جو پرزم میں سے گزرنے کے بعد بھی اپنی حالت میں قائم رہتی ہے۔تحریر ہے کہ،

''لیزر شعاع کا پھیلاؤ کم ہوتا ہے۔مثلاً عام روشنی کی بیم 1000 فٹ دور کسی دیوار پر ڈالی جائے تو روشنی تقریباً 200 فٹ علاقے میں پھیل جائے گی اور اس کی طاقت کم ہو جائے گی۔جب کہ لیزر شعاع کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ آدھ یا ایک فٹ ہوگا۔اور اس کی طاقت بھی برقرار رہے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عام روشنی میں شامل ہر رنگ کی لہر کا طول موج (wave length) مختلف ہوتا ہے۔جب ایک لہر کا فراز دوسری لہر کے نشیب سے ٹکراتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو رد کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ روشنی کا اپنے منبع سے اخراج کے بعد مختلف سمتوں میں سفر شروع ہوتا ہے۔جب کہ لیزر شعاع میں لہروں کے نشیب و فراز یکساں ہوتے ہیں اس لئے یہ ایک دوسرے میں پیوست اور متحد رہتی ہیں اور ایک سیدھ میں طویل فاصلہ طے کر لیتی ہیں — ہمیشہ یکساں

حالت میں رہتی ہیں۔''

اسی باب میں لیزر شعاعوں کے یکساں حالت میں رہنے کی وجہ وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔

''ہر شے کے مالیکیول ایک خاص فریکوئنسی سے حرکت کرتے ہیں۔ان پر بجلی یا حرارت وغیرہ اثر انداز ہو تو ہر ایٹم سے جداگانہ طور پر فوٹون کا اخراج ہوتا ہے اور دوسرے ایٹموں سے خارج ہونے والے فوٹون سے اس اخراج کا کوئی تعلق یا نسبت نہیں ہوتی۔چناں چہ روشنی کی شعاع جو فوٹون پر مشتمل ہوتی ہے، برقی مقناطیسی لہروں کا پیچیدہ آمیزہ بن جاتی ہے۔لیزر کا اصول یہ ہے کہ فوٹون کا اخراج ہر ایٹم خود نہ کرے بلکہ اسے ایسے اخراج پر مجبور کیا جائے جس میں فوٹون ایک ہی سمت میں خارج ہوں اور ان سب کا فیز (نشیب وفراز) ایک ہو۔کسی ایٹم کو جب عام حالت میں توانائی فراہم کی جاتی ہے تو وہ بلند سطح پر چلا جاتا ہے۔اس کو برانگیختہ حالت کہتے ہیں۔ایٹم دوبارہ اپنی عام حالت میں آنا چاہتا ہے۔چناں چہ وہ توانائی جو اس نے جذب کی تھی روشنی کے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں کی شکل میں خارج کرتا ہے۔یہی پیکٹ فوٹون کہلاتے ہیں۔اب اگر کوئی ایسا طریقہ استعمال کیا جائے جس کے ذریعے یہ فوٹون ایک ہی سمت میں اور ایک ہی فیز میں حرکت کریں تو ہمیں طاقت ور شعاع لیزر حاصل ہو جائے گی۔''

علم کا ذوق رکھنے والے خواتین وحضرات ان سطور کو کم از کم پانچ مرتبہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تو لیزر بیم کی یکجائی کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔یکجا رہنے والی روشنی میں توانائی تقسیم نہیں ہوتی۔جب یہ کسی جسم میں داخل ہوتی ہے، اس کی توانائی بڑھا دیتی ہے۔

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (النور:۳۵)

دوستو! نزع کے عالم میں معاشرے اور اقوام کے لئے حیات بخش ہوا ''اتحاد'' ہے اور بقا کے لئے معاون ادویات ایثار اور قوموں کے یقین کی راہ ایک ہونا ہے کیوں کہ ہر فرد ایٹم کی مانند روشنی ہے۔

ذہن سے نکلنے والی سوچ کی لہریں ماحول بناتی ہیں۔ یہ لہریں اپنے مفادات پر مشتمل ہوتی ہیں یا بے غرض ہو کر اجتماعی مفاد چاہتی ہیں۔خود غرضی سے حاصل نتائج زہریلی لہروں پر مشتمل ہیں۔زہر جسم کو کم زور کر کے تیزی سے ختم کرتا ہے۔

تقریباً ہر آدمی فائدے اور خود غرضی کی لہریں خارج کر رہا ہے۔اس سے بننے والا ماحول ہمارے سامنے ہے۔اجتماعی سوچ کی حامل قومیں ایجادات کرتی ہیں اور ان ایجادات کے اثرات دنیا میں پھیلتے ہیں۔

قرآن کریم میں فرد کو قوم کی حیثیت دی گئی ہے۔ چناں چہ قوم کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔جب قوم گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے اور گروہوں کا یقین مختلف ہوتا ہے تو شک زمین کی سطح پر پھیل جاتا ہے اور آفات کا ہجوم ہو جاتا ہے۔

اس وقت فرد اور معاشرہ جسمانی، اخلاقی، جذباتی، نفسیاتی، معاشی غرض ہر لحاظ سے کم زور ہے۔ مریض کی زندگی بچانے کے لئے فوری طور پر اس راستے کو بند کرنا ہوگا جہاں سے جسم میں زہر داخل ہو رہا ہے۔ ہم فرد اور معاشرے کو مریض فرض کریں تو اس مریض کے جسم میں داخل ہونے والا زہر ''خود غرضی'' ہے۔

خود غرضی کا علاج ایثار اور قربانی ہے۔ بے شک ایثار کرنے اور قربانی دینے میں تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ خود غرضی سے پہنچنے والی تکلیف سے بہتر ہے۔

ایثار کا نتیجہ اجتماعی خوشی، بیماریوں سے پاک گھر اور معاشرہ، سیلاب، زلزلے، وباؤں اور خانہ جنگی سے محفوظ معاشرہ ہے۔ ایثار سے حاصل ہونے والی سب سے بڑی خوشی اللہ کی رضا ہے۔

دو رنگی خوب نئیں یک رنگ ہوجا
سراپا موم ہو یا سنگ ہوجا

★ دو رنگی = عام روشنی ★ یک رنگی = لیزر بیم

ایثار اور اتحاد سے ہماری سوچ کے نشیب و فراز لیزر بیم کے نشیب و فراز (wave length) کی طرح یکساں حالت میں آجائیں گے۔ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے نہ ایک دوسرے کو رد کریں گے۔ نتیجے میں فرد سے گھر، گھر سے محلّہ، محلّے سے شہر اور شہر سے قوم میں لیزر بیم کی طرح یکجہتی پیدا ہوگی جو مشکل حالات یعنی منشور سے گزرنے کے باوجود متحد رہے گی۔

اتحاد اور بھائی چارے کی مضبوط لیزر بیم بن کر ہم دنیا کو جسمانی اور اخلاقی بیماریوں سے پاک کر سکتے ہیں۔ قادر مطلق ہستی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔'' (آل عمران: ۱۰۳)

عام روشنی کی روش اور لیزر بیم کی روش میں گہرا تفکر کرنے کی ضرورت ہے وگرنہ بلند آواز ایمبولینس کے سائرن، افراتفری اور بدحواسی والے اسپتال کے عملے، جاں کنی کے عالم میں مریض لاتعداد ہوں گے مگر آکسیجن سلنڈر اور آکسیجن ماسک یعنی حیات بخش ہوا نہیں ہوگی۔

یک رنگ

دو رنگی خوب نئیں یک رنگ ہوجا
سراپا موم ہو یا سنگ ہوجا
کہا کس طرح دل نے تجھ کوں* اے غم
کہ دل کی آرسی پر زنگ ہوجا
یہی آہوں کے تاروں میں صدا ہے
کہ بار غم سیں* خم جیوں* چنگ* ہوجا
برہ کی آگ میں ثابت قدم چل
سراجؔ اب شمع کا ہم رنگ ہوجا

(کلام: سراجؔ اورنگ آبادی)

---

* کوں (کو)، * سیں (سے)، * جیوں (کی طرح) * چنگ (تنبورہ)

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

اچھے بچو — السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

پچھلے چند ماہ سے آپ کے اور ہمارے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس سے ہم خوش ہیں۔ خطوط پڑھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہمارے بچے غور و فکر کرتے ہیں۔ غور و فکر — اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔ اب ''ماہنامہ قلندر شعور'' اپریل کا سوال پڑھیں۔

بچو! بہار کی آمد آمد ہے۔ درخت کی شاخوں پر نئے ہرے ہرے پتّے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ کچھ درختوں پر پتّے کم، کچھ میں زیادہ اور کچھ میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک موسم میں درخت ہرا بھرا ہوتا ہے، چند مہینوں بعد خالی ہو جاتا ہے، اور پھر ایسا وقت آتا ہے کہ درخت غائب ہو جاتا ہے۔ آنے جانے، غائب اور حاضر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہرا بھرا درخت خوب صورت لگتا ہے۔ خوب صورتی برقرار کیوں نہیں رہتی؟ پتّے کیوں سبز سے زرد اور زرد سے خاکی ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں؟ سوچئے اور بتائیے، کیا ہمیشہ تبدیل ہونے والی شے الوژن (نظر کا دھوکا) نہیں —؟

★ جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 20 اپریل ہے۔

آپ کا دوست، قلندر شعور

فروری 2020ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ گرمیوں میں سورج کی دھوپ برداشت کیوں نہیں ہوتی اور سردیوں میں اچھی کیوں لگتی ہے؟ بچوں کو سورج بھیا پر دو سطروں کی کہانی لکھنے کو بھی کہا گیا تھا۔

◇ عارف (ایبٹ آباد): دادی اماں کہتی ہیں کہ آدمی ایک حالت میں نہیں رہتا یہاں تک کہ جنت سے نکل گیا۔ آدمی کے مزاج کو سنبھالنے کے لئے اللہ موسم بدلتے ہیں تاکہ دنیا میں دل لگا رہے اور وہ ان بدلتے موسموں میں اللہ کو تلاش کرے جو تبدیلی سے بے نیاز ہے۔

◇ حسن بنیری (کراچی): سردی اس لئے ہوتی ہے کہ زمین گردش کے دوران ترچھی حالت میں آجاتی ہے اور سورج کی شعاعیں زیادہ رقبے پر پھیلتی ہیں۔ پھیلنے سے دھوپ میں شدت کم ہوتی ہے۔

◇ نورالعین (اٹک): سردیوں میں ٹھنڈا موسم ہوتا ہے اس لئے ہمیں سورج کی روشنی اچھی لگتی ہے۔ گرمیوں میں موسم گرم ہوتا ہے اس لئے دھوپ اچھی نہیں لگتی۔

◇ عارف (فیصل آباد): اللہ سورج کو حکم دیتے ہیں کہ سردی میں کم تپش کردو، گرمی میں بڑھادو۔

◇ حسن بلال (کراچی): آدمی کا جسم اسفنج (sponge) پر بنا ہوا ہے۔ جب خون کے اندر گرمی اور تیزی بڑھتی ہے تو حرارت خارج کرنے کے لئے جسم کے مسامات کھل جاتے ہیں۔ جسم پر کھال ہوتی ہے۔ کھال سوراخوں سے بنی ہوئی ہے۔ ان سوراخوں کے ذریعے جسم پر بال نکلتے ہیں، فاسد مادہ خارج ہونے کے لئے چھوٹے چھوٹے دانے نکلتے ہیں جسے گرمی دانے کہتے ہیں۔

◇ نورعجم، قرۃالعین: سورج درمیانے سائز کا ستارہ ہے۔ طاقت، حرارت اور وٹامن D دیتا ہے۔

◇ محمد علی (لاہور): ایک دن سورج نکلا، ہمیں روشنی دی، گرمی دی اور شام کو گھر چلا گیا۔

◇ نورالہدیٰ، جماعت ہفتم (کراچی): سورج ہمارے لئے گیہوں پکاتا ہے۔ سورج سے زمین پر جراثیم اللہ کے نظام کے تحت ختم ہوجاتے ہیں۔ سورج اللہ کی مخلوق کا دوست ہے۔ گرمی میں آدمی کے اندر سے فاسد مادے نکل جاتے ہیں جس کی وجہ سے صحت اچھی ہوتی ہے۔

◇ بچوں کا گوشۂ کتب (اورنگی ٹاؤن): گرمیوں میں حدت زیادہ ہوتی ہے اس لئے گرمی برداشت نہیں ہوتی۔

◇ عمارہ (لاہور): سورج بھیا کی اماں ان کو سویرے اٹھادیتی ہیں۔ جب وہ جلدی اٹھنے پر ناراض ہوتے ہیں، خوب گرمی برساتے ہیں اور جب خوشی خوشی اٹھتے ہیں تو زمین پر موسم خوش گوار ہوجاتا ہے۔

****

ہنسنا منع ہے ـــ پڑھئے

ایک دائرے میں مجتمع رہا کرو۔ تفریق کرنے سے دائرہ مثلث کا روپ اختیار کر کے ایک دوسرے کے مقابل آجاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اجتماعیت کا دائرہ صرف اس وقت مکمل ہوتا ہے جب تمام مثلث اپنے اپنے فرق کے باوجود ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

کسی اسکول میں اردو کے استاد بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر صاحب نے حساب کے استاد کو کلاس میں بھیجا۔ وہ کلاس میں آئے تو طلبا نے کہا کہ اردو کے استاد ان سے اردو میں بات چیت کرتے ہیں لہٰذا حساب کے استاد حسابی زبان میں بات کریں۔

کلاس میں جو کچھ ہوا اس کی روداد پڑھیں۔

استاد نے کہا، حسابی زبان میں بات کرنا کیا مشکل ہے۔ چوں کہ میں اردو کی کلاس میں آیا ہوں، اردو اور حساب دونوں میں بات ہوگی۔ آج ہم بھی ہیں پانچ سواروں میں۔

طلبا خوش ہو گئے کہ واہ جناب مزہ آ گیا! آج اردو میں حساب اور حساب میں اردو پڑھیں گے۔

استاد نے فرمایا، زیادہ تین پانچ مت کرو اور آج کا سبق پڑھنا شروع کر دو۔ کلاس کا مانیٹر کون ہے؟

مانیٹر کھڑا ہوا۔ انہوں نے کہا، ویسے تم میں اور باقی طالب علموں میں انیس بیس کا فرق ہے، آؤ بلند آواز سے سب کے سامنے سبق پڑھو۔

مانیٹر حیران پریشان تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

کیا ہوا تمہارے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟

مانیٹر بولا، محترم استاد! سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حساب کے سبق کی بات کر رہے ہیں یا اردو کے؟

استاد گویا ہوئے، نو نقد بہتر ہیں نہ کہ تیرہ ادھار۔ بہتر ہے کہ اردو کے پیریڈ میں اردو پڑھو، حساب کے پیریڈ میں تم لوگوں کی خواہش کے مطابق حساب ہوگا۔

مانیٹر نے پڑھنا شروع کیا،

''عام آدمیوں کو آم کھلانے سے پہلے ان کو بتایا جائے کہ میلے سے خریدے گئے پھل میلے ہوتے ہیں اس لئے پہلے ان کو دھو لیا جائے۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ زیادہ آم کھانے سے دانے ہو جاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آم کسی کے سامنے نہیں کھانا چاہئے ورنہ نظر لگنے کا خدشہ ہے، پھر ''نذر'' دینی پڑے گی۔''

استاد نے کہا، سبق مشکل ہے دوسرا سبق پڑھتے ہیں۔

چند طلبا نے ہاتھ اٹھایا جن میں سے ایک کو استاد نے بولنے کی اجازت دی۔ وہ بولا، استادِ محترم! کھیل سے ذہن تیز ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

انہوں نے جواب دیا، بیٹا! اتنی دفعہ تم لوگ دوسری ٹیموں سے ہارے ہو کہ ہمیں پتہ چل گیا ہے تم تین میں ہو نہ تیرہ میں۔

پھر دوسرے طالب علم سے پوچھا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ وہ بولا، استادِ محترم ہم پڑھ رہے ہیں لیکن ہماری حالت ظریفؔ لکھنوی نے اس طرح بیان کی ہے،

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے میں ہیڈ ماسٹر صاحب کلاس کی کارکردگی دیکھنے تشریف لائے۔ طالب علم کا شعر سن کر بولے،

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بیٹا! محنت کرو گے تو صلہ پاؤ گے۔ کہتے ہیں کہ ہمت مرداں ــــ مددِ خدا!

ہیڈ ماسٹر صاحب کو پتہ نہیں تھا کہ اسکول انسپکٹر صاحب بھی آ گئے ہیں اور پیچھے کھڑے کلاس کی روداد ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اردو کے شگوفے پھوٹتے دیکھے تو یہ کہتے ہوئے کلاس میں داخل ہوئے، آج کی تاریخ اس اسکول میں وہ تاریخ بنا رہی ہے جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی۔ بچو! جس کے سر میں سودا سما جائے وہ سودا خریدتے وقت حساب کا ہوم ورک اور باتیں کرتے ہوئے اردو کا ہوم ورک کر لیتا ہے۔ اور جو بچہ علم میں اضافے کے لئے محنت نہیں کرتا وہ سدا ــــ صدا لگاتا ہے۔ تم لوگ کام میں ملکہ حاصل کرو کہ تمہاری بیگم ملکہ اور تم بادشاہ بن جاؤ۔ بچے ہنس پڑے۔

انہوں نے مزید کہا، دال کا دانہ کھانے کے کام آتا ہے جب کہ جسم پر دانہ بیماری کی علامت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ پڑھائی میں محنت کر کے چارہ گر بنو تا کہ زندگی بھر جانوروں کو چارا کھلانے کی نوکری نہ کرنی پڑے۔ کیوں استاد صاحب! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

حساب کے استاد نے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا مجھے یقین ہے کہ میرے طالب علم کچھ اچھا کر جائیں گے کیوں کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ہاتھ میں موجود ساری انگلیوں کی اہمیت ہے۔

انسپکٹر صاحب بولے، آپ اچھے استاد ہیں، بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بچے محنت کر کے علِم کا عَلَم اٹھائیں گے اور رنج و الم سے نجات پائیں گے، انشاءاللہ۔

اساتذہ اور طلبا نے یک زبان کہا، انشاءاللہ۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان کیا، میں امتحانات کی تاریخ کا اعلان کرنے آیا ہوں۔ امید ہے سب کو یاد ہو گا کہ امتحان بھی ہوتے ہیں۔

ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر کہا، سر! امتحانوں

کے بارے میں ہمارا حال کچھ ایسا ہے جیسا فراقؔ گورکھ پوری بتاتے ہیں،

اک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

طالب علموں نے تالیاں بجا کر ساتھی کی تائید کی۔

اتنے میں کچھ ملازمین کھانے کا سامان لے جاتے ہوئے نظر آئے جو اسکول انسپکٹر صاحب کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب نے منگوایا تھا۔ کھانے کا سامان دیکھ کر انسپکٹر صاحب یہ کہتے ہوئے کلاس سے باہر گئے،

مرغیاں کوفتے مچھلی بھنے تیتر انڈے
کس کے گھر جائے گا سیلاب غذا میرے بعد
(مجید لاہوری)

اسکول انسپکٹر اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے جانے کے بعد حساب کے استاد گویا ہوئے، اچھے بچو!

دو اور دو چار ہوتے ہیں
اب ہم بیزار ہوتے ہیں

پھر پہلی نشست میں بیٹھے ہوئے طالب علم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بے چارہ طالب علم سمجھا کہ اس کی پٹائی کا وقت آیا ہے۔ دلاورؔ فگارؔ کا شعر پڑھا،

مار کھانے سے مجھے عار نہیں ہے لیکن
پٹ چکوں میں تو کوئی وجہ بتادی جائے

استاد نے فرمایا، نہیں بھئی ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں، اسی لئے ہم نے تمہیں بلایا ہے۔

شاگرد کی جان میں جان آئی، جی فرمائیے۔

استاد نے سرزنش کی، زیادہ تین پانچ نہیں کرو ورنہ نو دو گیارہ کردوں گا۔ شاگرد نے خاموشی میں عافیت جانی۔

ایک دو، تین چار، پانچ چھ لکھ کر دکھاؤ۔

شاگرد نے لکھا — ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶

کلاس میں زوردار آواز گونجی جیسے کوئی چیز کسی سے ٹکرائی ہو لیکن بورڈ کے پاس کھڑے استاد شاگرد کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کیا چیز کس سے ٹکرائی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سب کی سمجھ میں بات آگئی۔ پھر استاد نے چاک سے بورڈ پر لکھا اور بلند آواز سے پڑھا،

۲ — یہ ہے ایک دو

۴۴۴ — یہ ہیں تین چار

۶۶۶۶۶ — یہ ہیں پانچ چھ

تمام طالب علموں کو ایسا لگا کہ وہ کسی دوسرے سیارے میں جا کر حساب سیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد سب نے تالیاں بجانا شروع کیں۔ اس اثنا میں ایک طالب علم کے والد صاحب جو جج تھے، کلاس کے قریب پہنچے، تالیوں کی آواز پر وہ تیزی سے اندر آئے اور غصہ سے بولے — آرڈر، آرڈر!

باہر سے ایک ملازم گزر رہا تھا جو کھانا لینے جا رہا تھا۔ وہ آرڈر کی آواز کو ہوٹل والے کی آواز سمجھتے ہوئے بولا، دو روٹی ایک پلیٹ قیمہ۔ اس کی نظر کلاس پر پڑی تو سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

استاد بولے، فوراً نو دو گیارہ ہو جاؤ ورنہ چار سو بیس کی دفعہ تیار ہے۔ اسکول کے ایک ملازم کو تیزی سے بھاگتے

دیکھ کر آخری نشست پر بیٹھا ہوا طالب علم بولا، سر یہ تو ایسے غائب ہوگیا جیسے کسی کے سر سے سینگ۔

جواب میں استاد نے شاگرد کے چہرے اور سر کی طرف غور سے دیکھا۔

ساتھ بیٹھا ہوا طالب علم اس صورت حال پر مسکرا دیا۔

استاد کی نظر پڑی، اسے باہر نکال دیا۔

جج صاحب جو ابھی تک خاموش تھے، طالب علم کو باہر جاتا دیکھ کر بولے، رہا تھا کچھ دیر یہ کلاس میں، مگر باہر جا کر رہا ہوگیا، اف ربّا یہ کیا ہوگیا۔

استاد نے بہت ادب سے جج صاحب سے پوچھا، جناب آپ کیسے تشریف لائے؟

جج صاحب بولے، آج میں ریٹائر ہوگیا ہوں، سوچا بیٹے کو چھٹی میں لے کر گھر جاؤں گا۔ اب آپ لوگوں کو مجھ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

استاد بولے، مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ آپ ہمارے لئے پہلے سے زیادہ قابل احترام ہیں۔

سب نے تائید کی۔ پوچھا، آپ کے لئے پانی منگواؤں؟

جج صاحب بولے، آپ کی آراء کا شکریہ۔ اب میں آرا لے کر اپنے آبائی گھر کے جھاڑ جھنکاڑ کا خاتمہ کر کے سکون سے رہوں گا۔

جج صاحب کا بیٹا بولا، ابو یہ ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلتے ہیں، مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کہتے ہیں،

رہئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو، ہم زباں کوئی نہ ہو

بقیہ اشعار مانیٹر نے پڑھے اور خوب داد ملی۔

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

جج صاحب بولے، غیر ملک میں توس پر جام لگا کر کھانا ٹھیک ہے مگر اپنے ملک کی مکئی کی روٹی کا ذائقہ وہاں نہیں اس لئے بیٹا ہم یہیں رہیں گے۔

استاد نے اپنی رائے دی، بیٹا! غیر جگہ بندہ تین میں ہوتا ہے نہ تیرہ میں۔ اپنے گھر کی روکھی سوکھی دیارِ غیر کے قورمہ روٹی سے بہتر ہے۔

ایک طالب علم نے کہا، سر جس کے پاس سونا زیادہ ہوتا ہے — اس کے لئے سونا مشکل ہوتا ہے۔

جج صاحب اور استاد دونوں نے واہ واہ کی۔

پھر جج صاحب پرنسپل صاحب سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے اور طالب علموں کے دل ہولنے لگے کہ نہ جانے اب ہم حساب کا کون سا سبق پڑھیں گے۔

خطرناک صورت حال میں جانے سے بچنے کے لئے ایک طالب علم نے سوال کیا، سر! کیا آپ کو ایسے پھل پسند ہیں جو گنتی کے حروف جیسے ہوں۔

استاد بولے، جی ہاں! صفر کی طرح موسمبی اور عدد ایک کے جیسا کیلا۔

طالب علموں نے بات آگے بڑھائی۔ کسی نے کہا، سر! چھ کی طرح ڈنڈی میں لگے امرود کے بارے میں

کیا خیال ہے ــــ؟

استاد بولے ــــ بیٹا! دس کی طرح گنّا اور تربوز مجھے زیادہ پسند ہیں۔ سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

استاد نے ایک شاگرد سے پوچھا، تمہیں کیا پسند ہے؟

شاگرد نے منہ بناتے ہوئے کہا، سر! مجھے بَن پسند ہے لیکن بَن میں نہیں۔

سب نے حیرت سے دیکھا۔

استاد نے کہا، ارے بھائی اس کو کھانے والا بَن پسند ہے لیکن شہر میں رہ کر، جنگل (بَن) میں نہیں۔

استاد نے دوسرے شاگرد سے پوچھا، بیٹا! تمہیں کس چیز کا شوق ہے ــــ؟

سر! مجھے دس تولہ سونا پسند ہے جسے صحیح تولا گیا ہو۔

شاگرد ہنس پڑے۔

کہیں سے آواز آئی، سر مجھے لکھنے لکھانے کا بہت شوق ہے اس لئے میری تنہائی کچھ ایسی ہے،

واصفؔ جہانِ فکر کی تنہائیاں نہ پوچھ!
اہلِ قلم کے واسطے خلوت بھی انجمن

استاد نے پوچھا، رات بھر کیا کرتے ہو؟

وہ بولا، وہی جو پنڈت ودیارتن عاصیؔ کرتے تھے،

رات ہے چاند ہے ستارے ہیں
بے سہاروں کے سو سہارے ہیں

استاد ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئے کہ میں ان کو پڑھانے آیا ہوں یا بچے مجھے پڑھا رہے ہیں۔ شاگرد سے کہا، یعنی تم اکیلے میں بھی تین پانچ کرتے رہتے ہو۔

واہ بھئی واہ! کیا بات ہے۔

اتنے میں ایک شاگرد سوتا ہوا نظر آیا، وہ اس طرف بڑھے تو کلاس میں سے آواز آئی،

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے

استاد نے کہا، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، یہ اچھا پڑھنے والا بچہ ہے، کسی وجہ سے سوگیا ہوگا۔

آواز آئی، سر! کیا میں بھی سوجاؤں؟

انہوں نے گھورتے ہوئے جواب دیا، ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا چھوڑو اور حساب کی کتاب نکالو۔

شاگرد نے کہا، استاد جی! کیا آپ ہمیں جیومیٹری کی زبان میں پڑھا سکتے ہیں؟

استاد نے کہا، کیوں نہیں! ایک دائرے میں مجتمع رہا کرو۔ تفریق کرنے سے دائرہ مثلث کا روپ اختیار کرکے ایک دوسرے کے مقابل آجاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اجتماعیت کا دائرہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب تمام مثلث اپنے اپنے فرق کے باوجود ایک جگہ جمع ہوجائیں۔

شاگرد نے کہا، محترم استاد آپ نے تو جیومیٹری کی زبان میں ہمیں زندگی کا سبق سکھا دیا۔

استاد نے کہا، جس علم سے ہم زندگی گزارنے کا سبق نہ سیکھیں، وہ سیکھنا بھی کیا سیکھنا ــــ؟

تمام شاگرد اس بات پر سوچ میں گم ہوگئے۔

میں ہوں گدھا ــــ تو ہے گدھا

گدھا محنتی جانور ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاری سامان لے جاتا ہے۔ ڈھیر سارا بوجھ اٹھاتا ہے، گرمی برداشت کرتا ہے لیکن اف نہیں کرتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ گدھے میں عقل نہیں ہوتی۔ کیا وہ صحیح کہتے ہیں؟ جاننے کے لئے کہانی پڑھیں۔

محنتی گدھا سامان لادے جا رہا تھا۔ سخت گرمی تھی، پیاس لگی۔ مالک اسے درخت کے تنے سے باندھ کر سائے میں سو گیا۔ قریب پائپ میں سے پانی رس رہا تھا۔ پانی بہتا ہوا درخت کے قریب پہنچا اور گدھے کی پیاس بجھی۔ گدھے نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ پسینے میں بھیگا ہوا ایک آدمی درخت کی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ غصے میں بُڑ بُڑا رہا تھا کہ یہ کوئی زندگی ہے۔ نہ پیسا نہ گاڑی۔ اتنے مسائل۔ اللہ کو میری ذرا فکر نہیں۔ کتنی مشکل سے گزر بسر ہوتی ہے۔

یہ سننا تھا کہ گدھا بولا ــــ بھائی جان، آپ تو بڑے ناشکرے ہیں۔ مجھے دیکھیں، اتنا بوجھ میرے اوپر ہے، کمر پر چابک کے نشانات ہیں۔ میرے زخم دیکھیں۔ تکلیف کے باوجود میں محنت سے جی نہیں چراتا۔

آدمی بولا، کیا کہا، بھائی جان ــــ؟ میں تمہیں بھائی جان نظر آتا ہوں۔ گدھے کہیں کے!

گدھا خاموش ہو گیا۔

آدمی بولا، اللہ اور کچھ نہ دیتا، گرمی میں پیدل چلنے سے بچنے کے لئے کم از کم گدھا دے دیتا۔

گدھا بولا، اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر گدھا نہیں دیا تو تمہیں گدھا بنایا بھی نہیں ہے۔ مجھے گدھا بننے پر افسوس نہیں لیکن میری طرح بوجھ اٹھانا تمہارے بس کی بات نہیں ــــ ڈھینچو ڈھینچو ڈھینچو!

بے سُری آواز سن کر مالک کی آنکھ کھل گئی۔ گدھے کے قریب آدمی کو کھڑا دیکھا تو غلط فہمی ہوئی کہ وہ گدھے کو پریشان کر رہا ہے۔ چابک اٹھائی اور پیچھے بھاگا۔ گدھا یہ دیکھ کر ہنسنے لگا اور آواز لگائی، اللہ گدھا بنائے، آدمی نہ بنائے!

وقت گزرتا گیا اور گدھا بوڑھا ہو گیا۔ خوراک کم ملتی تھی، زیادہ بوجھ اٹھانے کی پہلے جیسی طاقت نہیں تھی۔ ایک دن گدھا خشک کنوئیں میں گر گیا۔ بہت شور مچایا۔ مدد کے لئے پکارا۔

مالک نے آواز سنی، لوگوں کو بلایا۔

گہرے کنوئیں میں پانی نہیں تھا اس لئے اسے باہر نکالنا مشکل تھا۔ مالک نے سوچا، مشین کے ذریعے سے باہر نکالوں تو خرچہ بہت ہوگا۔ یہ اب پہلے کی طرح کام کا نہیں۔ ایسا کرتا ہوں کہ اسے کنوئیں میں دفن کر دیتا ہوں۔ گاؤں والوں کی مدد سے کنوئیں میں مٹی ڈالنا شروع کی۔

گدھے نے دیکھا کہ اسے نکالنے کے بجائے مٹی ڈالی جا رہی ہے تو بہت رویا اور مالک کی منت کی — اتنے سال آپ کی خدمت کی، کچھ تو رحم کریں۔ مالک کو رحم نہیں آیا۔

لوگ کنوئیں میں مٹی ڈال رہے تھے۔

گدھے کی آواز آنا بند ہو گئی۔

مالک نے کنوئیں میں جھانکا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ گدھے کی کمر پر جیسے ہی مٹی گرتی، وہ کمر ہلاتا، مٹی اس کی کمر سے پھسل کر نیچے گر جاتی اور گدھا قدم اٹھا کر مٹی پر پیر رکھ لیتا۔ اس طرح کنواں مٹی سے بھر گیا اور گدھا کنوئیں سے باہر آ گیا۔

مالک گدھے کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بولا، واہ! بڑا عقل مند ہے۔ ہم تجھے ایسے ہی بے وقوف سمجھتے تھے۔ گدھا مالک کے رویے سے دکھی تھا۔ بدلتا ہوا رنگ دیکھا تو دولتّی ہوا میں ماری، مالک پیچھے ہٹا اور گدھے نے دوڑ لگا دی۔

آگے گدھا — پیچھے گاؤں والے۔

وہ اتنا تیز دوڑا کہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔

دوڑتے دوڑتے اگلے گاؤں پہنچا۔ وہاں کسی نے اسے زبان لٹکائے ہانپتے ہوئے دیکھا تو پانی پلایا اور حال پوچھا۔ گدھے نے قصہ سنایا کہ کس طرح مرتے مرتے موت سے واپس آیا ہے۔

اس نے گدھے کی عقل مندی کی تعریف کی۔ گدھا تھک چکا تھا۔ آنکھیں بند کیں اور زمین پر سر رکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ گدھے کی باتیں سن کر اس شخص کو ایک نظم یاد آئی۔

میں نے کل اک گدھے سے پوچھا
کیا تیرے دل میں یہ ارمان نہیں
تو بھی آدمی کے گھر پیدا ہوتا

گو کہ مشکل بہت ہے یہ آسان نہیں
سن چکا بات جب وہ میری گدھا
ہنس کے بولا کہ پشیمان نہیں
ناز ہے مجھ کو جو حیوان ہوں میں
فخر ہے مجھ کو کہ انسان نہیں
بات تو ہے تلخ مگر سن لیجئے
اس میں کچھ آپ کا نقصان نہیں
جتنے حیوان ہیں انسانوں میں
اتنے حیوانوں میں حیوان نہیں
ہم میں نہیں کوئی قاتل اپنا
ہم پڑوسی سے پریشان نہیں
ہم رہتے ہیں جنگل میں سکھی سدا
امن کا جس جگہ فقدان نہیں
اور ایک آپ کے آدمی تو ہیں
اپنی حرکت پر پشیمان نہیں
سن چکا بات تو میں بولا بھائی گدھے
آپ گدھے ہو کر بھی نادان نہیں
اور ہم کتنے بڑے بدھو ہیں
آدمی ہو کے بھی انسان نہیں

پیارے بچو — دنیا میں کوئی شے بے سبب نہیں بنی۔ ہر شے اللہ کی تخلیق ہے اور تخلیق میں حکمت ہے اس لئے کسی کو کم تر نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہر مخلوق

چنداماما

زمین پر رات مگر چودھویں کے چاند کی دودھیا کرنوں سے آسمان پر صبح کا وقت تھا۔ چھوٹے بھائی نے چاند دیکھ کر بڑی بہن سے پوچھا، بجیا! چاند میں دیا کون جلاتا ہے — ؟ بڑی بہن نے پیار سے بھائی کے گال تھپتھپائے اور کہا، میرے اچھے چھوٹے بھائی! وہی جو میرے اور تمہارے دل میں دیپ جلاتا ہے۔ (ملک محمد ناصر۔ سیالکوٹ)

صلاحیت کے مطابق کام کرتی ہے۔

جب آپ ننھے منے تھے، آپ کو بولنا آتا تھا نہ چلنا، کھانے کا طریقہ معلوم تھا نہ پینے کا۔ جب پہلی بار کھانا کھانے کی کوشش کی تو آدھے سے زیادہ خود پر گرا دیا تھا — یاد نہیں ہے تو اماں سے پوچھ لیں۔ رفتہ رفتہ آپ نے کھانا کھانا سیکھا۔

اسی طرح سب سیکھتے ہیں، آہستہ آہستہ۔ کسی کو اگر کچھ نہیں آتا تو اس کا مذاق اڑانے کے بجائے سیکھنے میں اس کی مدد کریں۔ وہ سیکھ جائے گا اور آپ کو یاد رکھے گا۔ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

دوست ـــ جراثیم

اکرم کی اماں کو سبزیاں اگانے کا شوق تھا۔ کیاری میں ٹماٹر، دھنیا، مٹر، سیم، بینگن، توری، مرچ اور کھیرے کے بیج بوئے۔ بیج بونے سے پہلے مٹی میں سے کنکر الگ کیے۔ پھر بیج بو کر کھاد ڈالی اور پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ اکرم نے اماں کی مدد کی۔

اماں سے پوچھا، بیج سے پودے کب نکلیں گے؟

توری کے بیج ڈالتے ہوئے اماں بولیں، کچھ دن لگیں گے۔ ہر شے وقت پر ظاہر ہوتی ہے۔ ان کو غور سے دیکھو، ہر سبزی کا بیج مختلف ہے۔ مٹی میں چھپانے کے بعد بیج کو غذا، پانی، ہوا اور حرارت ملتی ہے تو پودے کی نشوونما شروع ہوتی ہے۔ ایک وقت کے بعد بیج کھلتا ہے، کونپل نمودار ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ راستہ بنا کر مٹی کی سطح پر نمایاں ہوتی ہے۔

اماں! میں اسے روز زیادہ پانی دوں گا تاکہ بیج جلد پودا بن جائے۔

نہیں بیٹا! بیج کو ہر چیز مناسب مقدار میں نہ ملنے سے نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ پانی زیادہ دینے سے بیج گَل جاتا ہے۔ یہی صورت کھاد اور سورج کی حرارت کی ہے۔ اکرم کی سمجھ میں بات آ گئی۔

سردیوں کا موسم تھا۔ اکرم اماں کی ہدایت کے مطابق کیاری میں پانی کا چھڑکاؤ کرتا، اس امید کے ساتھ کہ مٹی میں کونپل نظر آئے لیکن ـــ!

اماں! کہیں بیج خراب تو نہیں تھے؟ اتنے دن ہو گئے، ایک پودا نہیں نکلا۔

اماں نے کہا، کچھ پودے دو سے تین دن میں نکل آتے ہیں اور کچھ زیادہ وقت لیتے ہیں۔ دعا کرو، انشاءاللہ بیج پودا بن جائے گا۔

انتظار ختم ہوا اور کیاری میں ننھے ننھے پودے نکل آئے۔ اکرم خوشی سے دوڑتا ہوا اماں کے پاس گیا۔ اماں باورچی خانہ میں تھیں، تیز قدم اٹھاتے ہوئے کیاری کی طرف آئیں اور خوشی کا اظہار کیا، یہ دھنیا ہے، یہ مرچ اور یہ ٹماٹر کی کونپل ہے۔

اکرم نے جذباتی لہجے میں کہا، آج خوب پانی ڈالوں گا۔ پودوں کو نہلاؤں گا۔

اماں نے کہا، نہیں نہیں۔ پودے بہت چھوٹے

ہیں، زیادہ پانی نہیں دینا۔

اچھا! یہ ابھی بچے ہیں یعنی بے بی پلانٹس؟

اماں مسکرادیں۔

یہ کس چیز کے پودے ہیں؟ اکرم نے ہرے رنگ کے نوکیلے پودوں کی طرف اشارہ کیا۔

گھاس پھوس ہے، بیٹا۔

حیرت سے پوچھا، لیکن ہم نے ان کے بیج نہیں ڈالے تھے۔ پھر یہ کیسے اُگے؟

بیٹا! بہت سے پودوں کے بیج پانی، ہوا، پرندوں اور جانوروں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔

وہ کیسے اماں؟ اکرم کا تجسس عروج پر تھا۔

وہ اس طرح کہ ہوا چلی اور راستے میں بیج ملا۔ ہوا بیج اٹھا کر ہماری کیاری میں لے آئی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ چڑیا بچوں کے لئے بہت سارے بیج چونچ میں دبا کر لے جارہی ہو اور ان میں ایک ہماری کیاری میں گر گیا۔ کبھی غور نہیں کیا کہ پہاڑوں پر سبزہ اور درخت ہوتے ہیں۔ وہاں مالی کو کام کرتے دیکھا ہے—؟ دیکھو! اللہ کا نظام کتنا خوب صورت اور منظّم ہے۔

اکرم سوچ میں گم ہو گیا کہ کس طرح اللہ نے اس دنیا کو باغ کی طرح سجایا ہے۔

چند دنوں بعد خوشی دگنی ہوئی جب سارے بیج پودے بن گئے۔ شام کو ابا گھر آتے تو اکرم انہیں بتاتا کہ آج کیاری میں فلاں پودا نکلا ہے۔ ابا کہتے، واہ بھئی واہ۔ اور کبھی حیرت سے پوچھتے، آپ کو کیسے پتہ کہ وہ کون سا پودا ہے؟

اماں نے بتایا ہے، انہیں سب پتہ ہے، وہ پتّے دیکھ کر پودے کا نام بتادیتی ہیں۔ ابا کہتے، ماشاءاللہ آپ کی اماں تو بہت ذہین ہیں۔ اماں ہنستے ہوئے کہتیں، درست کہا آپ نے۔ اماں ابا کو خوش دیکھ کر اکرم خوش ہو جاتا۔

پودوں کی نشو ونما ہوتی رہی۔ جیسے جیسے پودے بڑے ہوتے گئے، وہ اکرم سے اور اکرم ان سے مانوس ہو گیا۔ اس نے پودوں کے نام رکھے۔ ٹماٹر کے پودے کو ٹم ٹم، مٹر کو مٹرو، سیم کا نام سیمو، دھنیا کا دھنی، بینگن کا گن گن اور مرچ کا نام سی سی رکھا۔

اماں نے بتایا تھا کہ پودے ہماری بات سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ پودوں میں وقت گزارنے والے بچے پودوں کی زبان سمجھتے ہیں۔

اکرم نے پودوں سے بات کرنا شروع کی۔

حیرت کی انتہا نہ رہی جب پودے بھی اس سے باتیں کرنے لگے۔ وہ صبح اٹھ کر پودوں کو سلام کرتا، ان کی تعریف کرتا، کسی کو تسلی دیتا کہ فکر نہ کرو تم بھی دھنیا کی طرح خوب پھولو پھلو گے۔ کبھی پوچھتا، گن گن اور مٹرو! کوئی تکلیف تو نہیں؟

پودے جواب میں خوشی سے جھومتے جیسے کہہ رہے ہوں — ہم خوش ہیں۔

چند روز بعد پتہ نہیں کیا ہوا کہ مٹر اور سیم کے پودوں کا رنگ تبدیل ہونے لگا، پتے پیلے ہو گئے۔ بینگن نے پوچھا، مٹرو! تمہارے چہرے پر زردی کیسی؟ سبز رنگ کہاں گیا؟

شرارتی ٹماٹر گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا، بے گُن! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا، بینگن نے کہا، بے گُن — ؟ میں بینگن ہوں، اکرم مجھے گُن گُن کہتا ہے۔

ٹم ٹم ٹماٹر ہنستے ہوئے بولا، اوہ اچھا! غلطی سے منہ سے نکل گیا۔ ویسے بے گُن اور بینگن میں کوئی خاص فرق نہیں۔ مٹر نے ٹماٹر کو بینگن کو چھیڑتے ہوئے دیکھا تو زرد چہرے پر کئی دن بعد مسکراہٹ نظر آئی۔

بینگن نے سنجیدگی سے کہا، بہت فرق ہے۔ جس میں گُن (خصوصیت) نہ ہو، اسے بے گُن کہتے ہیں۔ میں گُنوں سے بھرپور ہوں۔ میرے اندر اتنے گُن ہیں کہ میں بھی بے خبر ہوں۔

اس سے پہلے کہ ٹماٹر بینگن کو مزید پریشان کرتا، سی سی مرچی بولی، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ مٹرو کے ساتھ سیمو کو بھی مدد کی ضرورت ہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ دیکھو، نڈھال ہو گئے ہیں۔

دھنی بولا، کیا کیا جائے؟

مٹرو نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا، اللہ کرے کہ اماں یا اکرم میری طرف توجہ دے دیں۔

سیم بولا، اللہ اللہ کرتے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہوں نے مل کر اللہ سے مدد مانگی۔ اتنے میں گھنٹی بجی، اکرم پودوں کو سلام کرتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ کیاری کی طرف نظر پڑی تو ایک دم بولا، اماں! مٹرو کو دیکھیں، پیلا ہو رہا ہے۔

اوہ! سیمو بھی کم زور ہو گیا ہے۔ اماں نے پریشانی سے کہا۔ لگتا ہے کھاد کی ضرورت ہے۔ تمہارے ابا کو فون کرتی ہوں کہ آتے ہوئے کھاد لے آئیں۔

ابا دیر سے گھر آئے۔ کھاد لانا بھول گئے۔

اگلے روز دوسرے پودوں کا رنگ بھی ماند پڑ گیا۔ پودے خاموش رہنے لگے تو اکرم نے خود کھاد لانے کا فیصلہ کیا اور اللہ سے دعا کی کہ اللہ میاں! میرے

پودوں کو اچھا کر دیں۔

اسکول سے واپسی پر نرسری گیا اور مالی بابا سے گھر چلنے کو کہا۔ مالی بابا نے معذرت کی کہ آج کام زیادہ ہے، کل آؤں گا۔ اکرم کا چہرہ بجھ گیا۔

مالی بابا! پودے دس دن سے تکلیف میں ہیں۔

وہ شفقت سے بولے، میری طرح تم بھی پودوں سے پیار کرتے ہو۔ ان کا دکھ سمجھتے ہو اور خوشی میں خوش ہوتے ہو۔ چلو ابھی چلتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو آواز دی۔ بھولو! نرسری میں رہنا، میں ساتھ والی گلی میں کام سے جا رہا ہوں۔

مالی بابا نے کیاری کا معائنہ کیا اور کہا، مٹی کم زرخیز ہے، کھاد کی ضرورت ہے۔ کچھ پودوں کو سنڈیاں لگ رہی ہیں، دوائی نہیں چھڑکی تو سنڈیاں سارے پودوں میں پھیل جائیں گی۔

شام کو مالی بابا نے کیاری میں مٹی اور کھاد ڈال کر گوڈی کی۔ مٹی کو ہاتھ سے یا کھرپی کے ذریعے نرم کرنے کے عمل کو گوڈی کرنا کہتے ہیں۔

انہوں نے پودوں پر دوائی چھڑکی۔ کچھ دنوں میں پودوں کی صحت بہتر ہوگئی لیکن کیاری میں چند پودے اب بھی بیمار تھے۔

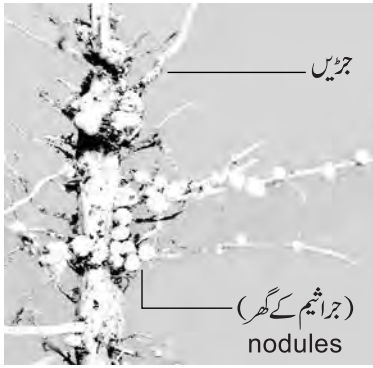

ایکسکیوزمی! باریک آواز سن کر پودے آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا، ہرے اور بھورے رنگ کے چھوٹے چھوٹے سلاخ نما کئی جراثیم کھڑے ہیں۔

مٹرو اور سیمو جراثیم کو دیکھ کر پہلے گھبرائے پھر سنبھلتے ہوئے کہا، جی فرمایئے؟

انہوں نے کہا، ہم جراثیم (bacteria) ہیں، ہمارا نام رائزوبیا (rhizobia) ہے۔ آپ دونوں سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔

ہم سے دوستی! مٹرو اور سیمو ایک ساتھ بولے۔

آپ سے دوستی کر کے ہم مزید بیمار ہو جائیں گے۔

ان میں سے کم عمر جرثومہ بولا، دوستو! میرا نام زوبو ہے۔ ہمارے دادا نے بتایا تھا کہ ہمارے خاندان کی پھلی دار پودوں سے ہمیشہ سے دوستی رہی ہے۔ ہم پھلی دار پودوں کی جڑوں میں گھر بناتے ہیں اور گھر بنا کر ان کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے

لئے ہوا اور مٹی میں موجود نائٹروجن گیس کو استعمال کر کے توڑ پھوڑ کر اتنا سادہ کر دیتے ہیں کہ پودے انہیں آرام سے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکیں۔ نائٹروجن کی فراہمی رک جائے تو پھلی دار پودے کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو آپ دونوں کے ساتھ ہوا۔ زوبو نے معلومات فراہم کر کے خوشی سے اپنی اماں کو دیکھا۔

مٹرو نے پوچھا، پھر تم لوگوں نے نائٹروجن کی فراہمی میں تعطل کیوں آنے دیا؟

زوبو جراثیم کے والد نے کہا، ہم یہاں نہیں تھے ورنہ ایسا نہ ہوتا۔ کیاری میں مٹی زرخیز نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس میں ہمارے خاندان کے افراد نہ ہونے کے برابر تھے۔ پودوں اور فصلوں کو ہماری ضرورت ہے۔ مالی بابا نے زرخیز مٹی ڈالی تو ہم ہجرت کر کے یہاں آ گئے۔ جس طرح آدمیوں میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح جراثیم بھی اچھے اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی جڑوں میں گانٹھیں (nodules) نما گھر بنانے دو۔ گانٹھوں سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم دیکھنا— چند دنوں میں کیسے ہرے بھرے ہو جاؤ گے۔

آئزو نامی جرثومہ بولا، ہم مل کر اتنی نائٹروجن بنائیں گے کہ دوسری مخلوقات کو بھی فائدہ ہوگا۔ آپ کے استعمال کے بعد زائد نائٹروجن ہوا میں جذب ہو جائے گی۔

مٹرو بولا، ٹھیک ہے، شاخوں میں گھر بنالیں۔

آئزو جراثیم مسکرا دیا۔ ہم زمین کے باسی ہیں اور اس لئے آپ کو نائٹروجن جڑوں کے ذریعے سے مل سکتی ہے۔ مٹرو اور سیمو نے پودوں سے مشورہ کر کے رائزو بیا خاندان کو جڑوں میں گھر بنانے کی اجازت دے دی۔

چند دن گزرے تھے کہ پودے سرسبز و شاداب ہو گئے۔ کیاری کی رونق بڑھ گئی۔ تمام پودوں نے مل کر اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی کے نغمے گائے۔ ان کو خوش دیکھ کر ہوا سرسرانے لگی، چڑیاں، بلبل، مینا، تتلیاں، بھنورے اور شہد کی مکھیاں مبارک باد دینے آئیں۔ اکرم کی خوشی دیدنی تھی۔ اب پھولوں اور پھلوں کا انتظار تھا۔ روزانہ پودوں کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتا۔ ایک روز بولا، پتہ ہے جب تم بیمار تھے، میں نے خواب دیکھا تھا۔

گُن گُن نے کہا، کیا خواب دیکھا تھا؟

میں نے دیکھا کہ سلاخیں (rods) پھدک رہی

ہیں۔کسی کی دم تھی، ان میں زیادہ ہرے اور چمک دار تھے۔مٹرو نے بات کاٹی اور کہا، اور کچھ کتھئی یا بھورے ہوں گے؟

ہاں! لیکن مٹرو تمہیں خواب کا کیسے پتہ چلا؟

اکرم نے حیرت سے پوچھا۔

سیمو اور مٹرو نے کہا، کیوں کہ تم نے سچا خواب دیکھا تھا۔خواب کے ذریعے سے قدرت تمہاری راہ نمائی کررہی تھی کہ پودوں کو نائٹروجن کی ضرورت ہے۔جنہیں تم نے دیکھا وہ ہمارے دوست جراثیم رائزوبیا ہیں۔وہ زرخیز مٹی میں رہتے ہیں اور کھاد کی مدد سے ہمارے لئے نائٹروجن بناتے ہیں۔

اکرم سوچ میں گم ہوگیا کہ اللہ نے خواب میں راہ نمائی فرمائی۔چوں کہ اکرم خواب کا علم نہیں جانتا تھا،تعبیر سمجھ میں نہیں آئی۔اللہ نے اماں کے دل میں خیال ڈالا کہ پودوں کے لئے کھاد کا بندوبست کیا جائے۔بروقت مدد سے پودے صحت مند ہوگئے۔

اکرم کے دل میں اللہ کی محبت بڑھ گئی۔

چند مہینوں بعد لال ٹماٹر، ہری مرچیں اور دھنیے نے کیاری کو چار چاند لگادیئے۔اماں نے نانا، نانی، خالہ، ماموں، دادا، دادی، چچا، چچی اور پھوپھا پھپھو کو دعوت پر بلایا۔توری کی بھجیا، مٹر پلاؤ اور بگھارے بیگن کے ساتھ ٹماٹر، کھیرے، ہری مرچیں اور ہرے دھنیے کا سلاد بنایا۔دعوت شان دار تھی۔

کھانے کے بعد سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

سب نے اماں کا شکریہ ادا کیا کہ اتنے مزے کی سبزیاں بنائیں اور بیگن کتنے عمدہ تھے۔

اماں بولیں، بھئی پودوں کا بھی شکریہ ادا کریں۔

اکرم نے کہا، اور جراثیم کا؟

اکرم کی بات سن کر سب خوش ہوئے اور کیاری کی طرف بڑھے۔صحت مند پودے دیکھ کر سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

انمول موتی

★ اچھا سوال آدھا علم ہے۔

★ ماں باپ اور استاد کا احترام کرنے والے بچے زندگی میں کام یاب ہوتے ہیں اور لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔

★ ہمیں بادِ صبا کی طرح ہونا چاہئے کہ ہر کوئی ہمارے آنے کا انتظار کرے، جانے کا نہیں۔

★ ٹوٹی ہوئی دوستی جڑ جاتی ہے لیکن نشان باقی رہتا ہے اس لئے محبت سے رہیں۔

(سیدہ عریشہ فراز، جماعت ہفتم۔کراچی)

خواب تعبیر اور مشورہ

سِلور پانی

تعبیر اقبال، سرجانی۔ سمندر کنارے امی، خالہ اور کزنز کے ساتھ بیٹھی تھی کہ دیکھا دو بڑی مچھلیاں ہمارے پیروں کے قریب سے کھیلتی ہوئی گزریں لیکن ان کے آس پاس پانی نہیں بلکہ پانی ان کی دم کے پیچھے پیچھے آرہا ہے جس کا رنگ سِلور (نقرئی) ہے۔

امی سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ مچھلیاں ہیں جن کی دم کے ساتھ پانی آتا ہے۔ اس کے بعد سمندر میں بلبلے بنے اور اچانک اوپر اٹھ کر بادلوں تک چلے گئے، چاند بھی چھپ گیا۔ میں سہم گئی اور درود شریف پڑھنے لگی جس سے لہریں وہیں رک گئیں۔ امی سے جلدی اندر آنے کو کہا۔ وہ کہنے لگیں کہ کچھ نہیں ہے، تم اندر چلی جاؤ۔ میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: گزرا وقت ہاتھ آتا نہیں۔ وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اپنا محاسبہ کریں اور مصروفیت کی فہرست لکھیں۔ صبح بیدار ہونے کے بعد سے رات کو سونے کے وقت تک پورے دن کی کارگزاری لکھیں، پڑھیں اور تکیے کے نیچے رکھ کر سو جائیں۔ صبح اٹھ کر اس پرچے کو پڑھیں۔ جو وقت کارآمد نہیں گزرا، ادھر ادھر کے خیالات اور الوژن میں صرف ہوا اس کے اوپر نشان لگا دیں۔ پورے پرچے پر نشان لگا کر حساب کریں کہ چوبیس (24) گھنٹے میں کتنے گھنٹے ایسے گزرے جن میں آپ مفید کام کر سکتی ہیں۔ یہ آپ کے محاسبے کا چارٹ ہے۔ دن رات میں 24 گھنٹے ہوتے ہیں، آٹھ گھنٹے آرام اور سونے کے لئے، آٹھ گھنٹے گھریلو مصروفیات کے لئے ہیں۔ اب آپ کے پاس آٹھ گھنٹے reserve ہیں۔ ان گھنٹوں کو کارآمد بنائیں۔

خواب کی تعبیر یہ ہے کہ بے کار خیالات میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ سونے سے پہلے دھلے ہوئے صاف ستھرے کپڑے پہن کر اول آخر درود شریف کے ساتھ چاروں قل پڑھ کر حضور پاکؐ کے روضے کا تصور کریں اور سو جائیں۔

عقیدہ

نام شائع نہ کریں، کراچی۔ جس اسکول میں پڑھاتی تھی وہاں باجی اور کزن کے ساتھ آفس کے باہر بینچ پر بیٹھی ہوں۔ پھر کلاس میں جا کر واپس آئی تو پتہ چلا کہ ایک اللہ والے آفس میں گئے ہیں۔ افسوس ہوا کہ بزرگ کے دیدار سے محروم رہ گئی۔ اتنی دیر میں بزرگ باہر تشریف لائے تو ہم نے خوش ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا اور آفس میں لے گئے جو صاف

ستھرا کمرا ہے۔ دیوار پر پردے اور فرش پر قالین ہے۔ تقریباً 120 افراد جن میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے وہاں بیٹھے ہیں۔ بزرگ ان لوگوں سے فرماتے ہیں کہ آپ مشوروں میں ان تینوں کو شامل کریں۔ ایک استانی دوست نعت پڑھ رہی ہیں۔ باقی لوگ خاموشی سے سن رہے ہیں، ان کی پیٹھ بزرگ کی طرف ہے۔ ایک خاتون سے کہتی ہوں، انہیں منع کریں یہ بے ادبی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رہنے دو۔ خیال آیا، خاتون نے اس لئے منع کیا کہ لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ ماحول کا بغور جائزہ لینے سے پتہ چلا کہ بزرگ سب کو ان کی ذمہ داریاں سمجھا رہے ہیں۔

تعبیر: آپ نے خواب میں جو کچھ دیکھا ہے، وہ عقیدے سے متعلق ہے۔ کلمہ طیبہ الحمدللہ سب مسلمان بہن بھائیوں کو یاد ہے۔ ترجمہ ہے کہ

''نہیں کوئی معبود مگر اللہ، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ الوژن، منفی خیالات، مذہب سے دوری، غیبت — ان سب کی نفی کرنا ضروری ہے۔ اور صرف ایک صاحبِ قدرت ہستی اللہ کو ماننا ہے۔ آپ کے خواب کی تعبیر میں یقین کی کمی، خیالات میں پیچیدگی اور بے سکونی کے نقوش زیادہ ہیں۔

اللہ دیکھ رہا ہے

حمیرا، ملیر۔ اکثر خوابوں میں خود کو رشتہ داروں کے ساتھ سفر میں دیکھتی ہوں جو پرانی حویلی کے قریب ختم ہوتا ہے۔ میٹھا پانی لانے کے لئے مجھے بھیجا جاتا ہے۔ وہاں جا کر خود کو تنہا محسوس کرتی ہوں۔ پھر سانپ نظر آتے ہیں یا سیلاب میں ڈوب رہی ہوتی ہوں۔ چیخنا چاہتی ہوں مگر آواز نہیں نکلتی۔ براہِ مہربانی ان پریشان کن خوابوں کی تعبیر عنایت فرمائیے۔

تعبیر: بازار کے پسے ہوئے نمک سے پرہیز کریں، لاہوری نمک گھر میں پیس کر استعمال کریں۔ زیادہ نمک کھانا مفید نہیں۔ نمک کم سے کم استعمال کریں، اتنا کم کہ دوسروں کو کھانا پھیکا لگے۔ رات کو سونے سے پہلے صحن میں کھڑے ہو کر شمال رخ منہ کر کے پانچ سے سات منٹ آسمان کی طرف منہ کر کے سوچیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد درود شریف پڑھیں اور سو جائیں۔ 40 دن تک یہ عمل جاری رکھیں اور پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔

ایصالِ ثواب

غلام اصغر، اورنگی۔ بھائی اور بھابھی کے ساتھ گھر میں بیٹھا ہوں۔ کسی نے والدہ کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے آپ کو سکھر کے راستے پر دیکھا جس کے بعد ایک گھر نظر آیا جہاں کئی خواتین کے درمیان سفید کپڑوں میں والدہ بیٹھی ہیں۔ والدہ سے گھر چلنے کا کہا تو کہتی ہیں، گھر نہیں جاؤں گی یہیں رہوں گی۔ گھر چلنے کی ضد کرتا ہوں تو کہتی ہیں اکبر سے پوچھو۔ دوبارہ ان سے گھر چلنے کا کہتا ہوں تو پھر کہتی ہیں کہ اکبر سے پوچھو۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: ایصالِ ثواب کی ضرورت ہے۔ عشاء کی نماز

کے بعد 11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر بخش دیا کریں۔ وقتاً فوقتاً کھانا کھلا کر ایصالِ ثواب کریں۔

عظمیٰ، کورنگی۔ تعبیر: منفی خیالات کا ہجوم رہتا ہے۔ کئی خیال نئی نئی شکل اختیار کر کے گردش کرتے ہیں۔ بچے کا انتقال بلا شبہ بہت بڑی تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ بزرگوں کا فرمانا ہے، چھوٹے بچے انتقال کے بعد اس دنیا کی طرح جوان ہوتے ہیں۔ عالمِ اعراف میں بچے جوان ہو جاتے ہیں، ان کی شادیاں بھی ہوتی ہیں۔ بچوں کا حساب کتاب بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے۔

ہر نماز کے بعد 100 مرتبہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اپنے دل کی جگہ پر دم کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔ میں فقیر آدمی ہوں، انشاء اللہ آپ کے لئے دعا کروں گا۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو یا حی یا قیوم پڑھیں۔

کالا جادو

نام پتہ شائع نہ کریں۔ خواب میں نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ کسی نے میری شہادت کی انگلی کا اوپری پور، تین عمودی حصوں میں کاٹ کر اس میں آٹھ کیلیں ٹھونکی ہیں۔ انگلی پوری ہے لیکن جہاں اوپر سے کٹی ہوئی ہے وہاں کیلیں نظر آرہی ہیں۔ تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اطراف سے دو کیلیں کھینچ کر نکالتا ہوں وہ آرام سے نکل گئیں لیکن انگلی کے اندر والی کیلیں دیوار میں کیل کی مانند ہیں۔ کیلیں نکلوانے کے لئے گیا تو انگلی اوپر سے بند ہوگئی۔ دبایا تا کہ انگلی کا منہ کھل جائے اور ڈاکٹر کو دکھا کر وہ کیلیں نکلوالوں۔ دبانے سے خون نکلنے لگا لیکن یہ بات ذہن میں ہے کہ انگلی کا منہ کھلے گا تو اندر کیلیں نظر آئیں گی۔

تعبیر: صاحبِ خواب کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ دل آزاری یا غیبت اور وسوسوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انہیں خیال آتا ہے ہمارے اوپر کسی نے جادو کروادیا ہے۔ بہنیں شکایت کرتی ہیں کہ ہمارے اوپر کالا جادو کردیا ہے۔ یہ عمل عقیدے کی کم زوری ہے۔ چاروں قل پڑھ کر سوتے وقت دم کرلیا کریں اور صبح فجر کی نماز کے بعد چاروں قل پڑھ کر پانی پر دم کریں۔ شمال رخ کھڑے ہو کر تین گھونٹ میں پانی پی لیں۔ انشاء اللہ وسوسوں سے نجات مل جائے گی۔ سونے سے پہلے سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کریں اور سو جائیں۔ کسی کی غیبت نہ کریں جہاں غیبت ہو وہاں سے اٹھ آئیں۔ جب غیبت سنیں یا آپ سے غیبت ہو جائے تو وضو کر کے استغفار پڑھیں۔

موبائل فون

نام شائع نہ کریں، کراچی۔ بڑے کمرے میں صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہوں، ہاتھ میں ریموٹ ہے۔ اور بھی کچھ دیکھا لیکن یاد نہیں رہا۔

تعبیر: خواب میں راہ نمائی کی گئی ہے فضولیات میں وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ وقت کے اسراف کی ایک

صورت موبائل فون ، ٹی وی اور غیر اخلاقی مضامین پڑھنا بھی ہے ۔ پانچ وقت کی نماز پڑھیں ۔ جو چھوٹی سورتیں یاد ہیں ان کا ترجمہ یاد کرلیں اور نماز میں ترجمے پر دھیان رکھیں۔

بلڈ پریشر

فیضان، کراچی۔ کسی کے ساتھ گھومنے کے لئے کچے علاقے میں ہوں۔ سانپ کا بچہ نظر آیا، میں اس کے بڑوں کو ڈھونڈنے لگا کہ بچہ ہے تو بڑے بھی ہوں گے۔ جب بڑے سانپ نظر آئے تو وہ پھنکارتے ہوئے میری طرف آئے اور میں وہاں سے بھاگ نکلا۔

تعبیر: بلڈ پریشر چیک کروائیں ۔اچھے ساتھیوں کا انتخاب کر کے ان کے ساتھ ملیں جلیں۔ غیر اخلاقی باتیں چھوڑ دیں۔

حق تلفی

نام شائع نہ کریں ،کراچی۔ والدہ کے انتقال کو نو (9) سال ہو چکے ہیں۔ ان نو (9) سالوں میں 60 فی صد ان کو مفلس اور پریشان حال دیکھا۔ چند مرتبہ تکلیف میں نظر آئیں ۔ یہ بھی دیکھا کہ بڑے ہال میں ہر طرف اندھیرا ہے، وہاں بہن نظریں نیچے کئے خاموش اور ساکت بیٹھی ہے لیکن چہرے کے تاثرات میں غم، بے بسی اور پریشانی ہے۔ والدہ سخت پریشان ہیں اور میں اوپر نیچے آجارہی ہوں کہ کسی طرح والدہ کو پریشانی سے نجات دلاؤں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آپ کی والدہ مرحومہ کو ایصالِ ثواب کی اشد ضرورت ہے۔ معلوم کریں کسی کی حق تلفی ہوئی ہے جس سے گھر والے بھی کسی نہ کسی حد تک واقف ہیں۔ ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ 40 دن میں پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں ۔ حق تلفی کا تدارک کر دیا جائے یا معافی مانگ لی جائے۔

سائرہ شمیم۔ اسلام آباد، واٹس ایپ پر اسٹیٹس کے لئے مرے ہوئے دو لمبے اور موٹے سانپ اپنے ہاتھوں پر رکھ کر ان کے ساتھ سیلفی لے رہی ہوں۔

تعبیر: خواب میں بتایا گیا ہے کہ وقت الوژن خیال میں گزرتا ہے۔ وہم وسوسہ اور منفی خیالات کا ہجوم اتنا زیادہ ہے کہ لاشعور نے محسوس کیا ہے اور اس منفی عمل سے محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے۔ منفی خیالات کا مطلب ہے کہ ایسے خیالات کا ہجوم رہتا ہے جن خیالات سے آدمی کا یقین بے یقینی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وقت کا اسراف ہوتا ہے۔

ستاروں کی انجمن

محمد راشد منہاس، فیصل آباد۔ سونے کے لئے بستر پر لیٹا۔ میرے بچے دوسرے بستر پر بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ نظر گھڑی پر گئی۔ میں سوتے ہوئے بھی جاگ رہا تھا۔ کمرے کا منظر بند آنکھوں سے نظر آرہا تھا۔ بچے باتیں کر رہے تھے، وہ بھی سنیں۔ پھر بچے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف گئے۔ محسوس ہوا کہ میں جسم سے باہر آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کانوں میں بہت

شور سنائی دیا۔ میں نے زور لگایا اور جسم سے باہر آ کر کمرے میں اڑنے لگا۔ شور ختم ہوا اور سکوت طاری ہو گیا۔ میں چھت پر گیا پھر دروازے تک آیا جو بند تھا۔ صحن میں بچے کھانے پینے کا سامان لا رہے تھے۔ میں ان کے درمیان سے گزر کر چھت پر اور پھر اوپر اڑ گیا۔ بادلوں میں گیا اور اپنے شہر میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ بہت سکون محسوس ہوا۔ واپس اترا اور جسم میں سما گیا جس کے ساتھ آنکھ کھلی۔ گھڑی دیکھی تو ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔ ایک دفعہ پھر ایسا ہوا لیکن اس دفعہ میں نے شروع سے زور لگایا اور جسم سے باہر آ کر واپس اپنی مرضی سے جسم میں داخل ہو گیا۔

تعبیر: آپ نے جو کچھ لکھا ہے ماشاء اللہ بہت اچھا لکھا ہے۔ ذہن ڈرامے کی طرف زیادہ رجحان رکھتا ہے۔ کچھ دیر اور آنکھیں بند نہ ہوتیں، پپوٹے ساکت رہتے تو ممکن تھا چھت میں بڑا سوراخ بنتا اور آپ اڑتے ہوئے آسمانوں کی سیر کرتے۔ آسمان میں ستاروں کی انجمن میں کسی ایک ستارے کا دروازہ کھلتا اور صاحبِ خواب ستارے کی دنیا میں داخل ہو جاتا۔ وہاں دیکھتا کہ ہر ستارہ ایک دنیا ہے لیکن یہ دنیا ہوا میں معلّق ہے۔ ستارے کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد ایسے ایسے مناظر سامنے آتے جو صاحبِ خواب نے ابھی تک نہیں دیکھے۔ کچھ دیر اور آنکھوں کے

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

پپوٹے ساکت رہتے تو اس دنیا کی طرح وہ دنیا بھی نظر آتی اور وہاں کسی پُر بہار باغ میں پُر وقار انداز سے آپ باغ کی سیر کرتے۔

ماشاءاللہ خواب بہت اچھا ہے۔ کوشش کیجئے خواب میں رنگ بھی نظر آسکتے ہیں۔

پالا ہوا سانپ

نائلہ نبیل، کراچی۔ نند اور ساس صاحبہ کے ساتھ کسی عجیب جگہ بیٹھی ہوں۔ ایک سوراخ میں سے کالے رنگ کا سانپ پھن پھیلائے باہر آیا۔ میں ڈری تو نند نے کہا کہ یہ سانپ ہمارا پالا ہوا ہے، کچھ نہیں کہے گا۔ سانپ سوراخ میں واپس چلا گیا۔ میں نند کو حیرت سے دیکھ رہی ہوں، وہ اطمینان سے بیٹھی ہے۔ نند نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں میں سانپ کو دوبارہ بلاتی ہوں۔ نند کے بلانے پر سانپ سوراخ سے باہر آکر واپس چلا جاتا ہے۔ خوف سے آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: جگر اور بلڈ پریشر چیک کرائیں۔ جب ذہن نیوٹرل ہوجاتا ہے تو الوژن خیالات کی بھرمار نہیں ہوتی۔ یہاں کوئی آدمی اچھا ہے نہ برا۔ خیالات میں گرمی سردی، یقین بے یقینی اور وراثت میں ملی ہوئی باتیں ذہن دہراتا رہتا ہے۔ یہ خواب نہیں، خیالات کی جھلکیاں ہیں۔

فی سیکنڈ آٹھ سو

زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و جہل، آرام و تکلیف، آزادی و پابندی اور صحت و بیماری وغیرہ کا دارومدار محض اس بات پر ہے کہ فرد کون سا دماغ استعمال کرتا ہے۔ آدم کی اولاد میں زندگی گزارنے کے لئے یہ دونوں رخ موجود ہیں۔ ہر شخص روزانہ ان دونوں رخوں میں ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔ ان دونوں رخوں کے تجربات فرد کی پوری زندگی ہے۔ ایک رخ کا تجربہ ہمیں دن کے وقت بیداری میں اور دوسرے رخ کا تجربہ رات کے وقت خواب میں ہوتا ہے۔ ان دونوں رخوں کو شعوری حواس اور لاشعوری حواس کہا جاتا ہے۔ روحانی علوم کے مطابق شعوری حواس یعنی حواس خمسہ والا دماغ آدمی کو مادی دنیا میں قید رکھتا ہے اور لاشعوری حواس کا دماغ انسان کو لامحدود غیب کی دنیا سے متعارف کراتا ہے۔ انسانی دماغ اور یادداشت پر کام کرنے والے ماہرین کہتے ہیں کہ اگر ہم آٹھ سو یادداشتیں فی سیکنڈ کے حساب سے اپنے دماغ میں ریکارڈ کرتے جائیں تو اس میں اتنی گنجائش ہے کہ ہم لگاتار بغیر کسی وقفے کے 75 سال تک یادداشتیں ریکارڈ کرسکتے ہیں۔ اگر انسانی دماغ کی صلاحیتوں کے برابر کوئی کمپیوٹر بنایا جائے تو اس کا سائز ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ جس کی بلندی 1250 فٹ ہے، کے برابر بنے گا اور اسے چلانے کے لئے ایک ارب واٹ (Watt) بجلی درکار ہوگی۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین
تجمل ٹریولز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
Tajammal
تجمل للسفريات (الخاصه) المحمدوده
ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ
ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ
UMRAH
عمرہ سروس
بجٹ پیکج اکانومی پیکج
5 ہوٹل کی بکنگ
رانا تجمل حسین
+92 321 6680 266
+92 300 6654 211
Gole Bhawana Bazar Faisalabad. Pakistan
+92 41 2641904
طیب طاہر
+92 306 7000 038
+92 336 6333 313
tajammaltravels1@gmail.com
THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
شبعة تی ایچ اے 〈THA〉 لتطور الامور تتعلق بالعمال/الموعطفين الاجانب
Labour Visa
Skilled Visa
Un Skilled Visa
thaoep1@gmail.com
متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

Azad Kashmir

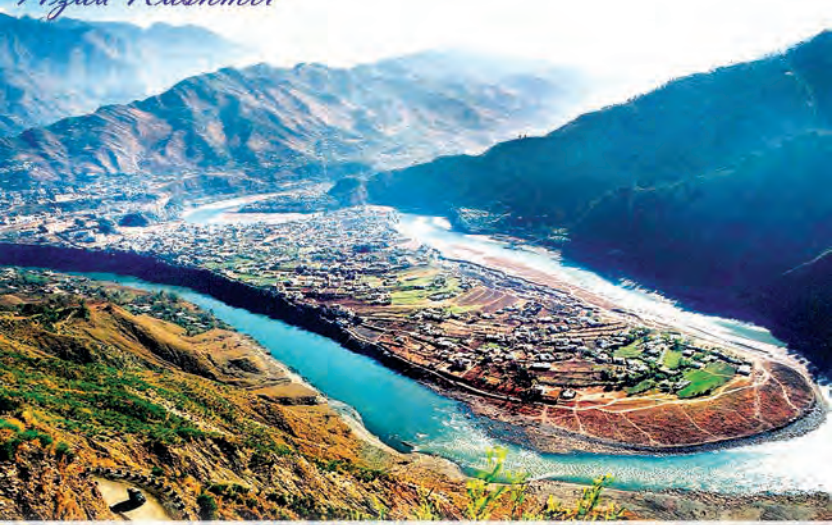

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

Earth that created this force. It is difficult to locate the source of this pressure.

As mentioned earlier, one of the reasons for this transformation could be the Black Hole. With the emergence of several feet rocks, an Oceanic wave was produced with the speed of a bullet that created a 600 miles long crevice. It was an underwater earthquake, therefore, its intensity was absorbed by the ocean. The left over intensity spread at the speed of 500 mph. Had it been on Earth, it would have buried modern industrial towns and cities.

Besides the Boxing Day tsunami devastative impact, an interesting incident happened in Mahabalipur, at east coast of Madras, India. Historically, there was a huge complex of temples consisting of seven different blocks for worship. Water is associated to pious symbol to bring cleansings in Hindu religion. Various religious ceremonies are performed in water, either in sitting, laying or standing stature.

The temple was deemed as center of all religious ceremonies and imparting knowledge and skills. About a decade of centuries, most part of the temple was sunk in sea under unknown circumstances. Only few folk stories provide the foundation for the edifice structure.

It was until 2002 A.D when archaeologists started digging the various surrounding places, they found edifice structure consisting of walls, floors and streets at the depth of five to eight meters. Folklore myths revealed the truth narrated since centuries, due to tsunami on 2004 A.D., at Boxing Day, sea currents drew back about 500 meters.

Fishermen and tourists presented there witnessed the drown part of the temples. Regional folklores mentioned, in the beginning there were about seven temples; now only one temple is at the coast, rest of them are sunk.

Since centuries, these folklores narrate a tale of gods' fight, where one god became envy of others and drowned them. The giant waves of tsunami revealed the other six temples for couple of minutes, ten meters long and two meters high wall stretched along the coastal structure towards deep sea.

Later archaeologist probe further into the oceanic part of the structure with the help of underwater scanning radars and other sophisticated instruments. They found whole complex of temples, some drown in sea and mostly inside the sand of oceanic bed.

Like other coastal temples in India, archaeologists also found long tunnels joining the coastal temples and sea. Archaeologists predict historically, about two thousand years ago during the dynasty of Tamil Sangam and Plava, a great tsunami might have swallowed this entire architecture.

To be continued...

investigation of natural phenomena by material equipment, why is modern research conducted on data thus collected?

In this regard, Qalandar Baba Auliya (RA) says:

"This is a common observation that our sight works to an extent but if this extent is enlarged the sight could see beyond it. For instance, we use telescope. The glass in telescope enables the viewer to see high wave lengths and we are able to see things miles away. Someone with weak eyesight could see things by using spectacles. This means that burnishing activates a hidden ability of the glass. Enhance the power and you can view long distances. When you can see miles by this eye, why can't you see *Ghaib* through the same eyes that have seen God and angels?"

We would await the opinion of experts, graduate, and Ph.D. students regarding discrepancy between material and non-material observations.

Let us now go through the scientific observations in Sumatra.

As soon as the submarine touched the oceanic floor, geological devastations were observed which included huge sharp rocks and deep fissures. The scientists were looking for a peak which might have been created out of Earth plates as a result of this earthquake. The scientists were trying to find out a new peak. In order to ensure the reliability of their observations, the scientists agreed that a new peak should be sharp enough as sharpness helped it come out of the Earth plates.

With these points in mind, the experts continued to search for such a rock until they found a long but semi blocked passage which allowed them to move only left to right. This rock had no slope. It was standing vertically like a wall. After detailed inspection, the experts raised their submarine vertically until they discovered sharp edges at the peak. These edges helped the rock creep out of the Earth plate. This endorsed their views. There was compatibility in the intensity of tsunami and its size but there were more questions than answers.

What were the elements responsible for such great power and intensity in the wave?

This question still needed a reply. It was surprising for the scientists to observe a small plateau at the peak of the rock. There was another new, very sharp but smaller in size rock near this rock.

The scientists later resolved this riddle too. This was not an ordinary tsunami. Its wave was a reaction of an extremely powerful earthquake, more powerful than earthquake recorded thus far.

According to an estimate, the two peaks emerged out of Earth with great force by 40 feet and continued to push water over them during this process. One can guess the gaseous pressure under

i

Reality and Materialism

Archaeologists predict historically, about two thousand years ago during the dynasty of Tamil Sangam and Plava, a great tsunami might have swallowed this entire architecture.

Tsunami waves cause widespread death and destruction. From its origin the size of waves start increasing due to the shallowness of land and winds pressure. As it travels to coastal areas, it becomes a giant wreaking havoc wherever it enters. Why is it that with tsunami clouds thicken and darken and cause heavy rain whereas at the origin of storm, water remains a few meters high.

We come back to tsunami and sea storms.

Factors producing tsunami are caused inside oceans. These include earthquakes, volcanic activity or any other activity caused by magma. Such activities indicate high pressure under Earth plates producing landslide. Under this, a huge block of water rises from the floor of ocean and produces tsunami.

Deep in the ocean, the height of the wave is limited although this wave is several hundreds of miles in length. But as soon as this wave reaches coasts, it causes widespread confusion.

Initially, water draws back around half kilometers into seas for a few minutes. This indicates arrival of a tsunami. The drawn back water hits the lower part of the huge wave producing a curve in gigantic water wall which hits the coasts with a high speed and triggers widespread devastation.

The Boxing Day tsunami was incredibly high. According to BBC, a team of scientists visited Sumatra to observe the impact of the tsunami and earthquake.

For this purpose, they were required to find out a fissure in the inner part of Earth which was created on 26 December 2004 causing Earth crust to elevate by several feet and produce a tsunami. There are European Alps like mountains at this place which are creeping out of the Earth plates slowly and gradually for the last several thousands of years. The hole being sought by the scientists was to be found here.

The scientists lowered a submarine fitted with modern observatory at this place and analyzed the Oceanic floor with powerful computers. The use of material equipment to investigate theories reduces the reliability of data thus received. But this equipment is used as religious tenets in scientific investigation and no one challenges this.

We ask our readers as to why is this so?

Despite an inevitable flaw in the

to and where they appeared. The cycle of life is in continuous motion. A child becomes a parent and parent becomes a grandparent in no time.

Nothing and no one in this world is truly ours. In life, we observe that we depart from some, and yet many depart from our lives. We are all like the passengers on a train. We get on at an appointed station of life and get off the train at the destined time.

The last asset of a person is their two-yard grave, which is also subject to availability. Our body becomes food for worms in this grave. Our physical body that we identify as our self, transforms into dust particles and gets trampled under the feet of other human beings and animals. The earth has engulfed mighty kings, such as Shaddad and the Pharaohs and turned them into dust that we walk and trample upon today.

The following verses of the Holy Quran need contemplation in this regard as God says,

"Know that the life of this world is only play, and idle talk, and pageantry, and boasting among you, and rivalry in respect of wealth and children; as the likeness of vegetation after rain, whereof the growth is pleasing to the husbandman, but afterward it drieth up and thou seest it turning yellow then it becometh straw. And in the Hereafter there is grievous punishment, and (also) forgiveness from God and His good pleasure, whereas the life of the world is but matter of illusion." (Quran,57:20)

"And every nation hath its term, and when its term cometh, they cannot put it off an hour nor yet advance (it)." (Quran, 7:34)

Let us focus on moving inwards, towards self-awareness that will shine light upon the reality hidden deep within us. This world is nothing but an illusion that keeps us entertained at every moment. The characteristic of illusion is that it constantly changes, creating a state of confusion and conflict. We must look for that which is unchanging and permanent within us. This unchanging entity is none other than God. To see Him, one must activate one's inner eye (*Sultan).* And to activate it, one must do what pleases God, by serving all of His creatures as He serves them.

"Realise this: One day your soul will depart from your body and you will be drawn behind the curtain that floats between us and the unknown.

While you wait for that moment, be happy, because you don't know where you came from and you don't know where you will be going."

— Omar Khayyam

king not see how one man on this land lives carefree and successful while on the other hand, another man is sore hearted and hopeless? Does he not see how this earth devours every brain that is constantly troubled by so many foolish thoughts? Does he not know that when destiny strikes, neither king nor slave can escape from the clutches of death?"

"Dear man! Ask your king to open the tombs and search amongst the dusty bones in them and declare which one of them was a rich man and which of them was a pauper!"

The ruler who was listening to this conversation was deeply moved by the words of the dervish. He dismounted his mighty horse, knelt close to the dervish and said, "Respected sir, please do ask me for a favour!"

The dervish replied without looking up, "My Lord fills me with His favours and mercies. I need nothing from anyone. But, if you would still like to offer me something, I ask that you never disturb me again."

The king once again begged the dervish, "O' Man of God! Please give me a word of advice so that I may take refuge in the path of righteousness."

The dervish replied, "God has been merciful to you. He has blessed you with wealth and power. Look at the wealth and power in your hands, and make this a good opportunity to realise before it is too late, that what you have passes from hand to hand. Nothing and no one in this world is permanent."

Moral of the Story

Nothing in this world is permanent. Man is created to serve mankind like God serves His creation and when man's time is up, whether he is rich or poor, he will be reduced to dust.

We can cite many examples of impermanency in this world. Let us consider a seed that becomes a tree. A tree bears fruit and the ripe fruit falls to the ground and becomes a seed, which then goes back into the embrace of dust again. This law of nature has continued since the beginning of existence.

The same is the case of wealth. No one has been rich or poor forever. It takes a moment in time to reduce the rich to poor and vice versa. No one can ever take their assets with them when they leave their physical body. The asset of a father is transferred to his children and the wealth transfers from one generation to another. This is why it is said that wealth knows no loyalty.

The nature of this body is impermanent too. A clot of blood becomes a foetus, which in time becomes a baby, then a toddler, moves into being a teenager, grows up to be an adult and then finally enters old age and one day leaves this world. A foetus does not know where the clot of blood went. An adult does not know where the little child disappeared

Glory Belongs to God

"Dear man! Ask your king to open the tombs and search amongst the dusty bones in them and declare which one of them was a rich man and which of them was a pauper!"

On a bright sunny day, a dervish was sitting alone, meditating on a patch of desert. The ruler of the land with his team of ministers happened to pass by. The dervish, who was in an absolute carefree state, did not bother to lift his head, nor did he pay attention to the people that were passing by. He was entranced in the love of God.

The ruler, noticing that the dervish did not bother to acknowledge him, was furious. He was proud of the power he enjoyed over the people of the land and to be ignored in such a way made him violent.

He fumed in anger, "You dervishes in your ragged clothes and patched cloaks are no better than animals!"

The dervish seemed to have not heard him. His focus was so deep within himself that he was oblivious of the happenings around him.

The king was triggered further by this and ordered his minister to summon the dervish before him immediately. The king's thunderous roar of anger had all the onlookers scared. They wondered about the fate the poor dervish would meet at the hands of the angry king.

The minister hurried to the dervish and reprimanded him loudly. "The greatest of all rulers in this world is passing by and you did not so much as stand up and bow before him. Do you realise your folly? You have been very disrespectful to the ruler and may face severe consequences."

The dervish gently opened his eyes, listened to every word uttered by the minister calmly, smiled and then replied, "Dear man, do inform your mighty king that only those who hope to receive a reward from him, bow down to him. And I need no reward from anyone as God fulfills my every wish. I bow down only to my God. I do not bow down before any man who is a mere servant of God as I am."

"Also tell him that rulers are appointed to protect and serve people. People are not created to obey the kings. A ruler is in fact the appointed guardian of the welfare of the poor and down trodden. No matter how great the king's own wealth and glory, his status is equal to that of a guard or a watchman."

"The sheep do not serve the shepherd, it is in fact the shepherd who serves the sheep. Does your

The meditation of yellow light activates further abilities in our consciousness, which help in curing stomach diseases.

Orange light is useful in treating respiratory problems such as tuberculosis, chronic cough, and asthma, etc.

Green light treats high blood pressure, certain heat inflicted blood disorders, skin disease, itch, syphilis, gonorrhea, and melanoderma, etc.

Red light is prescribed to treat low blood pressure, anemia, gout, heart sinking, low energy, cowardice, nervous breakdown, thoughts of disappointments, fear of death, and sense of discomfort from high pitched voices. An appropriate use of red light is useful.

For diseases related to the male reproductive system, as well as for ovarian related complications in women, the purple light, or the colour purple, is useful.

Pink light is useful in treating epilepsy, mental spasms, fear and fright, insecurity, negativity about life, and hopelessness, etc.

Note: It is crucial to take advice from an expert of colour therapy before any treatment.

There is an old legend that a monkey came to a city once for sightseeing. He observed that people visited the grocery shop and took things from there. Whilst observing, he saw a bag full of turmeric root lying around, and so he jumped down from his viewpoint and stole the turmeric.

He then decided to open a shop himself. When other monkeys found out that he had returned from the city, they went to visit him to hear tales of it. They saw that he was sitting on the floor with turmeric before him. They inquired as to what it was and about the city life.

The monkey who had returned from the city said, "There are shops in the city where many things are available. People visit those shops, take turmeric root, and pay to the shopkeeper. I have brought this present from the city, which you must also buy, and reap its benefits."

This story is narrated for those who treat others through colour therapy, in order to let them know that they must not establish their own shop after reading this. There are many more things in the shop other than just turmeric root.

❊❊❊

"Strive to discover the mystery before life is taken from you. If while living you fail to find yourself, to know yourself, how will you be able to understand the secret of your existence after you die?"

— Farid al-Din Attar (RA)

cult for them to bear the alteration. They exhibit this reaction in the form of either a physical or mental change. Physicians name this condition a disease; such as blood pressure, cancer, anemia, issues with the respiratory system, tuberculosis, gout, orthopedic issues, neurological problems, and several abnormal emotions, etc.

Only a spiritual master can determine what kind of changes in the pattern of colours and lights should take place in their student, keeping in view the student's aptitude, mental fitness, behaviour pattern, physical buildup, and many other factors.

The methodology to absorb colours through meditation is provided hereunder:

Method No. 1: Sit in a comfortable posture and imagine that waves of colours or lights are being absorbed in one's body.

Method No. 2: During the meditation, imagine that waves of colours or lights are descending from the heavens and being absorbed into the brain.

Method No. 3: While meditating, imagine that the surrounding environment is fully illuminated.

Method No. 4: It should be imagined that you are immersed in the river of light.

According to the laws of physics and medicine, each colour possesses their own traits. When one meditates by focusing on a coloured light, certain chemical changes take place in the mind, and the ability to absorb those lights increases. Thus, diseases are only developed in the body when the preset volumes of colours are disproportioned.

To redress the psychological diseases that develop due to mental turmoil, colours and light-based meditations are offered here:

Note: It is mandatory to seek guidance from a spiritual master in order to perform any colour or light-based meditation.

❊❊❊

Blue light helps in curing mental diseases, neck and back pain, vertebra and spine problems, depression, sense of deprivation, and a weak willpower as well.

How to perform it: Imagine that you are under the sky from where blue light is raining upon you, and your mind is feeling the strike of those droplets. The flow of blue light is entering your head, traveling downward after passing through the entire body and absorbing in the earth through your soles.

Yellow light, or the colour yellow, carries great remedial effects for the digestive system, flatulence, intestinal problems, dysentery, constipation, hemorrhoids, and ulcer, etc.

Fruits with dominant yellow colours are useful too, with guidance. A careful quantity of yellow split grams, and oranges are also useful in this regard. Psyllium seed husks also has yellow colour synthesis to some extent.

part of their body is a combination of colours, such as the colours of our hair, skin, eyes, nails, etc.

This is an external image of our body, whereas our body has two sides, internal and external. Even the inner part of our body is comprised of numerous colours; the colours of our teeth, tongue, throat, lungs, heart, veins, blood, liver, gallbladder, kidneys, stool, urine passages, bones and marrow – in short, the human body is the combination of 17 or more colours.

❊❊❊

When an element breaks apart, a certain combination of colours show up. This combination of colours is a basic trait of any element; therefore, the arrangement of colours is different in each element.

The same law is in effect in human life as well, where a complete system of colours and waves functions. A balance in these colours and waves guarantees human health, and a variation in the colours causes changes in human behaviour as well.

Colours play a significant role in our sentiments and feelings. It is our everyday observation that one's face becomes pale upon hearing shocking news. Fear changes the colour of the face, and in anger, the colour of one's eyes and face turn auburn. Moreover, red painted walls cause a heaviness on one's mind, and if the same walls are painted blue, it impacts them serenely. On the other hand, looking at lush green lands and trees helps relieve fatigue. When these plants take off their green attire in the autumn and put on yellow clothing instead, it leaves a dull impact on the viewer.

Not only in the human body, but also in the senses, the quantities of colours are fixed. If, for some reason, a disbalance in colours occurs within us, such that some colours become excessive or deficient, it alters our moods and feelings.

❊❊❊

In spiritual education, the spiritual teacher inspires changes in the colours and lights arrangement in the student, so as to ascend their mind to levels closer to the subconsciousness. A continuous practice of meditation further enhances the concentration of colours in the system of lights within us.

It is important to utilise those modifications in our lights and colours properly, which is to awake our esoteric abilities. If the increase in colours and lights are not utilised in enhancing the abilities and senses, it affects the normal senses.

A spiritual teacher constantly monitors changes in their student, and in order to maintain an equilibrium in consciousness, adjusts them through *Tasarruf* (the ability to transform things).

An abnormal variation in colours and lights impacts people in such a way that it becomes diffi-

i

A Spectrum of Healing

An abnormal variation in colours and lights impacts people in such a way that it becomes difficult for them to bear the alteration. They exhibit this reaction in the form of either a physical or mental change. Physicians name this condition a disease.

If one tried to find out the total number of diseases, it would exceed the hundreds easily. The nature and causes of these diseases vary from one another. Irregularities and inconsistent chemical changes in our physical system are known as diseases.

When viewing treatment under a spiritual lens, all diseases have two dimensions: physical and spiritual. As per spiritual therapy, all diseases have their individual physiognomy and a spiritual beingness, and both of them are connected to each other. In this modern era, the roles of psychological and physical diseases are not difficult to understand.

In spiritual therapy, the physical body is treated in parallel to the spiritual side; and while mentally negating the disease, this process at the same time helps in quick healing. Not only are they cured faster, but they are also delivered from many complicated and untreatable diseases.

The following is a general program through which enough healing energy is stored to fight diseases. The more store of healing energy one has, the more it strengthens their will-power, and hence recovery takes over accordingly and swiftly.

Program: Sleep early in the night and rise quite early too. Cleanse yourself thoroughly, or make ablution. Then perform the breathing exercise and walk, freeing your mind from all thoughts while reciting *"Ya-Hafeezo"*, until it is time for *Fajr* prayer. After the prayer, sit for meditation and imagine that you are under the *Arsh* (God's Throne) and rays from it are descending upon you. Continue this for 10 to 15 minutes.

Practicing this meditation consistently heals the sick, and they begin to refrain from food and other items which are health hazardous, as part of their routine.

❊❊❊

Noor (a stage of Divine light) is the basis of colours. Above and beneath the surface of our planet, wherever the creation of God exists, they are composed of colours.

Dear readers! Let's explore if there is anything on earth that is colourless. You will find no such thing that has no colour, but if you do find it, write in and do let us know.

If we ponder upon mankind, we see that they all have several colours, such as, dark, fair, ruddy, pale, wheatish, etc. When an *aadmi* (man) under the confines of their limitations contemplates their body, they see that every

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

hand when he was about to return and said, 'People with physical illnesses were healed, please remove the inner diseases as well?'

"He replied, 'O' Dhul-Nun! Leave my hand. God is watching us and can see that a person has desired to leave His hand to hold someone else's hand.'"

The honourable Mr. Azeemi has penned a story of Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) in his book 'Spiritual *Haj* and *Umrah*' (both *Haj* and *Umrah* are Islamic pilgrimages):

"Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, 'One day I was circumambulating the *Kaaba* (House of God in Makkah). The eyes of the people were focused on the House of God and everyone was feeling peaceful. All of a sudden, a person came forth and began to pray, 'O God! I have come to ask from You that which is most close to You, and request for the worship that is most liked by You. O' God! Through intermediation of Your prophets and pious people, I beg of You to make me drink a glass of wine of Your love and bless me with Your cognition that unveils my heart so that I can fly and reach You and speak to You in the gardens of cognition.'

"He then cried to the extent that drops of tears began to fall on the ground. Then he laughed and left. Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, 'I began following him, thinking that either the man was very cognisant or a lunatic. After leaving the mosque, he walked towards a desolate place. I followed him and he asked me, 'Why are you following me, mind your own business.'

"I said, 'May God shower His mercy upon you! Please let me know your name.'

The man replied, 'Abdullah.' I asked, 'What is your father's name.' The man replied again, 'Abdullah.'

I said, 'It is obvious that we all are servants of God and the off springs of the servants of God, but what is your name?'

The man then replied, 'My father named me Saadoon.'

'Are you the one who is known as Saadoon Majnoon?' I asked.

The man answered, 'Yes, I am him.' I asked him, 'You made this prayer with the intercession of pious people, who are they?'

He replied, 'They are those people of God who have adopted Love.'"

As per a narration, when Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) passed away, his followers saw this written on his forehead – 'Friend of God'.

> Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) further asked, "When does an *Arif* (cognisant person) become happy?"
>
> The man smiled and said, "Can an *Arif* be unhappy?

into rubies. The young person had always trusted that his master has a high status, but he was surprised when he experienced it firsthand.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "Son! Take these rubies to a jeweller and find out what its value is." The young man did as he was asked and informed his master that the jeweller had valued them to be at 1,000 dinars.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "Dissolve them into water, and engrave it in your mind that the friends of God do not need money and wealth." The young man felt sorry for his poor thoughts, but through this event, his thinking stood corrected. Since then, the dinar was of no value to him, and in this way, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) trained the young man.

A group of people were against Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) but he never paid any attention to them and kept striving for the sake of God. He used to help and serve needy people, take care of those in trouble and taught them to love God instead of getting influenced by money and wealth.

During all of this, the group's discontentment with him reached its peak and so they complained to the caliph of that time. To defend against the allegation, the police took Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) to the caliph from Egypt to Baghdad. He met a lady on the way who stopped him and said, "Dhul-Nun! Do not be afraid! The caliph is also dependent on God, like all other creations. Therefore, one should not be impressed by anyone. No one can act as they wish as they are at all times dependent on God."

The caliph did not make a just decision, and imprisoned him for forty days. However, after realising his mistake, he apologised, set him free and bid farewell with great respect.

As per an account, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) went towards a jungle where he came across old friends. During the stay, they found treasure in the jungle that also contained a wooden plank with names of God written on it. When the treasure was distributed, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) wished for the wooden plank. At night, during the state of dreams, he heard a voice from the unseen, "O' Dhul-Nun! Everyone showed interest in the wealth and you desired My Name. I will open the door of knowledge and wisdom for you."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) often said to his followers, "The love of God sets a cognisant person free from worldly problems. I once saw a gathering of ill people on a mountain. I was told that a servant of God lived there who came out of his place of prayer only once a year to heal people. The day I arrived was the day he was due to come out. After a short while, a pious man came out and blew on the people. I held his

Someone asked him, "Who is the most pious amongst people?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "The one who keeps their tongue in control."

He was once asked, "Who is the saddest among people?"

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "Those who are habitual in giving advice, but do not follow it themselves."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "A person devoid of the love of God becomes lost."

He further said, "There are four things that bring destruction to a person:

- Obedience to *Iblees* (Satan).
- To not consider that death is closing in.
- Engaging in people pleasing instead of pleasing God.
- Ignoring the inner voice."

A follower once requested advice. Hazrat Dhul-Nun said, "Never give importance to doubt over belief. Be patient in troubled times and spend life in the remembrance of God."

He would advise people:

- Avoid the company of a person whose actions are not a reflection of their words.
- The veil on the eyes is the biggest veil.
- It is not surprising when one is patient during troubled times. However, it is surprising if one remains happy in such times.
- 'Indulgence in the world' is a punishment inflicted upon a person who does not remember God.

A boy came over and said, "I have inherited 100,000 dinars and I want to present them to you." Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) had no interest in those dinars. He said, "Be patient, you are not grown up yet. Do not spent these dinars till you attain puberty." The boy grew up and distributed all of the money among people and became a follower of Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA).

The moral of this account is that one's mind needs to be mature to make decisions.

One day, that very young man was sitting in a gathering and he felt that the Sheikh needed some money. He felt regret and wished that he had some money left with him so that he could have gladly offered it to the Sheikh.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) found out about young man's thoughts through the *Noor* of the inner. He called him and said, "Bring medicine from a pharmacy, mix it with oil and make three tablets. Then, make a hole in each of the tablets and bring them to me."

The young man did as he was advised. Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) blew on the tablets, and with that the tablets turned

dered how such a revered man could jest around with me in this manner. I returned to him angrily. Seeing the unpleasant look on my face, he smiled and said, 'I trusted you with a rat, which you could not keep. How can I then trust you with something as great as *Ism-e-Azam*?' I was very embarrassed."

There was once a person who had negative opinions about the friends of God, and was against Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA). Once during a meeting, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) gave him a ring and requested him to give it to a bread maker to keep it secured for 1 dinar.

However, as the bread maker did not accept the offer, the man brought the ring back. Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked him to go to a goldsmith and find out the value of the ring.

The man did as he was asked and upon returning to Hazrat Dhul -Nun al-Misri (RA) said, "The goldsmith has estimated the value of the ring at 1,000 dinars! I am surprised that the bread maker did not appreciate such a valuable ring."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "There is nothing to be surprised, for there is no difference between the both of you. Your knowledge about the Sufis is equivalent to the bread maker's knowledge about the ring. He could not comprehend the worth of the ring, just as you disregard the friends of God."

The man greatly influenced by this, sought his forgiveness.

One of the followers of Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked him, "Who is an *Arif* (cognisant person)?"

He replied, "The one who is not divided in pieces, and holds fast to only one door i.e. he loves only God."

A disciple once asked, "Where is God?"

He replied, "He is beyond your reach, but if you earnestly wish to seek His nearness, then you will find Him at the very first step."

He told his disciples, "Avoid filling the stomach fully, as cognition of God does not stay in a belly that is always filled with food."

A person sought explanation of *tawakkal* (complete trust in God). Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) replied, "To abandon worshiping the false gods, following the True Lord, and trusting Him in all circumstances is deemed as *tawakkal*."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, "People ask me about the world. That what takes you away from God is the world!"

He stated three identifications of belief:

- To trust God in every activity.
- To refer to God in all situations.
- To seek God's help in all circumstances.

He replied, “It is *Ism-e-Azam* when you say God while accepting God's Greatness and Mercy.”

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) said, “I often say and repeat it, but it does not create any impact.”

The illumined man replied, “You say it according to your own understanding, and not from His.”

When Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) sought permission to leave, he said, “The Lord of the universe is aware of all your conditions, you must also not forget Him in all circumstances.”

During a journey, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) saw a person praying on a mountain, and wild animals were sitting around him. As Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) proceeded towards the man, all of the wild animals ran away. Upon completing his prayers, when the man noticed that there were no animals around him, he said to Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA), “O’ man! The wild animals would have searched for you too, and mountains would have turned attentive towards you if you had a clean heart.”

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked him, “What do you mean by the cleansing of the heart?”

He replied, “Become pure for God.”

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) asked, “How can one achieve this status?”

He replied, "Be of service to the people of God, but do not set any expectations from them. Completely cease all expectations from people.”

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) is one of the greatest spiritual masters. The secrets of God were unveiled to him through prayers, spiritual exercises and travelling. He always sat attentively, and would bless people who would come to him from places near and far. One of his students, Yousuf Bin Husain (RA) says, “Someone told me that Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) knew *Ism-e-Azam*. I was in Makkah and he was in Egypt. I went to him and spent about a year in his service. After one year, I made a request of him, ‘Sir, I am a traveller, and I am missing my family. I have served you for a year, please teach me *Ism-e-Azam*.’ Hazrat Dhul-Nun al -Misri (RA) did not reply, so I postponed my plan to return home for some time.

“After six months, he gave me a covered pot and said, ‘One of my friends live in a particular area. Go and give this pot to him. However, do remember that you are not allowed to open it.’

“The pot was very light as if it were empty. However, there was a continuous movement happening within it. I grew curious to know what was within the pot. Even though, I ignored the thought many times, eventually I ended up opening it; and a rat jumped out of it and escaped.”

“I was very angry, and won-

Can an Arif be Unhappy?

'I trusted you with a rat, which you could not keep. How can I then trust you with something as great as Ism-e-Azam?'

The title of Hazrat Thawban (RA) is Dhul-Nun and he is commonly known as Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA). During a journey in search of the Truth, he met a revered, elderly person in a cave on Mount Lebanon. The revered person was praying, so he sat nearby and waited for quite a long time. When he finished praying, and rested his back on a rock, he saw the young Dhul-Nun (RA), but did not talk to him. Instead, he started reciting '*Subhan Allah*' (Glory be to God). Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) requested, "Sir! Please pray to God to grant favours upon me."

The elderly person prayed, "May God acquaint you with His nearness." Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) requested again, "Please make some other prayers for me too."

The man replied, "Son! This is the greatest prayer. When God blesses one with His nearness, He favours the person with four blessings – Respect, Knowledge, *Istighna* (complete trust in God), and Love."

As soon as the revered person said this, he screamed, as if he had also observed the words he had just uttered, and lost his consciousness. Three days had lapsed, before his condition improved.

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) stayed around during the time, and when it was time to bid farewell, the elderly man advised him, "Keep God as your friend and do not wish for anyone else except God – this way, you will be purified." Saying this, the old man chanted aloud, and passed away.

Some people descended from the mountain and arranged for his burial. On inquiry, Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) was informed that the pious elderly person was Hazrat Sheeban Masab (RA).

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) once saw a person with a very illumined face. He asked him, "When does *Noor* (a stage of Divine Light) reflect on a face?"

He replied, "When one stops and keeps away from conflicts and disagreements."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) further asked, "When does an *Arif* (cognisant person) become happy?"

The man smiled and said, "Can an *Arif* be unhappy? O' young man! Happiness and sadness are conditions which keep altering, however, the love of God sets a person from the states of happiness and unhappiness."

Hazrat Dhul-Nun al-Misri (RA) then requested that the man tell him *Ism-e-Azam* (The Greatest Name of God).

cally fit than he was for the forest. City life had indeed made him fragile and weaker for life in the wilderness. However, he tried his best to keep up with the brisk pace of the old wise man.

Finally, after a few hops, skips and jumps over the thorny bushes, fallen tree trunks, and murky mud patches, he reached the entrance to the cave. The cave was dark and cold. He had no idea what to expect but it did not take much time for him to realise that he had lost track of the old man – he was nowhere to be found! "Sir! It is dark and I cannot see you. Can you hear me?" he called out. All he heard in return was the deep echo of his own voice.

He realised that he had no torch light with him. Thinking that it was almost impossible for him to walk ahead in the dark, he suddenly saw a shimmering luminance at the far end of the cave. "Is that you, sir?" He called out to the wise man again.

He heard no reply. Mustering some courage to put a step forward, he saw that there was a footmark that surprisingly seemed to light up as he neared it. But how could the foot mark light up in the pitch-dark cave? He put the thought aside however, as in the last few hours, he had experienced too much that was mesmerising. He eagerly put his foot upon the footmark and lo and behold the next glowing footmark appeared ahead of him.

Astounded, he kept walking over the footsteps and they kept glowing and appearing one after the other, showing the way forward.

At one point, he turned to look back and saw nothing but pitch darkness behind him. The footsteps vanished as he crossed them. It was too late, there was no way he could turn back now, he had no choice but to move forward on the footsteps that kept glowing and showing the way forward. He could feel the rocks under his feet and the roar of gushing water somewhere very near. He could smell the dampness of the cave walls, and yet he could see nothing except the glowing footsteps that guided him.

After what seemed like forever, he came to a brightly lit place within the cave. He looked in the direction of the streaming light and tried to see its source. As he focused, he saw a faint yet familiar figure walking towards him; it was the old wise man!

He was upset and happy at the same time; upset that he was left alone for so long, but happy that he had found the wise man again.

Episode 3

"When my Beloved appears,
With what eye do I see Him?
With His eye, not with mine,
For none sees Him except Himself."

— Ibn-e-Arabi (RA)

the sky and the lake, is anyone exempt from being the lake?" he asked.

The old man replied, "No. None except God is exempt from this process. The spiritual student is a lake to his master. The master is a lake to the Prophets of God (PBUT). And the Prophets of God (PBUT) are lakes to the Almighty God."

"Why is it that no one is exempt?" he asked.

"Let us understand this with the example of electricity. Do you see electricity around you?" The old man asked.

Looking up, he said, "No."

"But can you deny its existence?" the wise man asked.

"No," he replied again.

"What would happen if all the electric charge in the universe decided to pour down into you this very moment?" the old man asked once more.

"I would be electrocuted," he replied.

"Indeed, and hence the wisdom of God which we can refer to as the power plant, percolates down through the prophets who act like transformers, and it further permeates down to the spiritual masters who act like switchboards that provide the right amount of voltage of electricity to the student, who can be referred to as the bulb as per their individual capacity to light up without bursting. The master regulates the transfer of knowledge like electricity such that the bulb does not face issues of low or high voltage. But this transfer can only happen if the bulb is fixed to the electrical wiring. If the bulb is not attached to the electrical circuit and is unstable, though it will flicker now and then, it will not be able to light up effectively. In the same way, if the faith of the student is not completely on the master, they will not progress on the path. The only way to strengthen the connection is by surrendering completely."

"And how do I surrender my ego and attain the state of self-realisation?" He asked, almost choking with emotion. Something was telling him he was very near to the answers he was seeking. He was so grateful to the old wise man for bringing him to this state of mind.

"The state of self-realisation can be achieved through the daily practice of *Muraqba*," the old man answered.

"What is *Muraqba*? And how does the master clear the pre-existing pattern of thinking and transfer his own into a student?" He asked.

The wise man smiled, "*Muraqba* is one pointed focus, a practice of watching over one's self or commonly known as meditation." The old man pointed his finger towards a tiny cave at a far distance and said rather mysteriously, "Follow me to the cave and you will get your answers."

He noticed that the wise man, despite his age, was more physi-

ter could fill the feeling of emptiness within him.

"The transfer of spiritual knowledge cannot happen until the student has completely adopted the pattern of thinking of the master," the old man replied.

He could not hide his eagerness, "What is the pattern of thinking of the master?"

The wise man replied, "It is the attitude of complete surrender to the fact that there is nothing but God. Everything in this universe that has happened, that is happening and that will ever happen are by His will and nothing else."

He asked perplexed this time, "And what stops us from accepting this pattern of thinking then?"

The old man was happy with the questions and replied, "Until you stop identifying yourself with this body, this personality that you have carefully built over the years as you, you will never realise your true identity as a soul. The light of the soul remains hidden under the debris of layers and layers of acquired thinking patterns from your parents, environment, culture, experiences and more. These layers of consciousness muffle the voice of inspiration or rather the voice of your conscience and you often only listen to the loud blabbering of your ego. The ego always bases its inferences from its past experiences and therefore you become stuck in cyclical patterns of thought, reaction and action. You think, react and act in the same predictable way, over and over again, leaving no scope for progress and self-actualisation."

"For example, when a soul sends inspiration to your conscious mind that you are thirsty, the layers of the ego translates this inspiration as per its habitual practices. If you love tea, it will inspire you to drink tea. If you have practiced drinking water, you will reach out for water. If you have practiced drinking alcohol, you will reach out for alcohol. The layers of consciousness which we can refer to as the ego, distorts the purity of the inspiration sent forth by our soul, and every day, we keep moving further away from our true selves." The old man paused.

"I seem to have been heavily influenced by all of the above factors," he asked anxiously. "Will I ever get over this cyclical pattern of self-entrapment?"

The old man replied, "Indeed, you can break this prototype if you are able to recognise your true identity as a soul. When you recognise yourself as the body, be it of light or physical, you will be limited to those states of existence. Your state of awareness defines who you are. But if you realise yourself as the driving force behind all of your bodies and states of existence then yes, you can break the ego which is the barrier that stops you from adopting the pattern of thinking of a spiritual master."

"Going back to the example of

i

Circle of Life

At one point, he turned to look back and saw nothing but pitch darkness behind him. The footsteps vanished as he crossed them. It was too late, there was no way he could turn back now...

The old man paused, took a deep breath and continued, "Every person lives both realities through their senses. While one set of senses is used in the day-time, the other is used during the night in the state of sleep. While in the state of wakefulness your awareness is in your physical body through the five senses of sight, hearing, touch, taste and feeling; when you are in the state of sleep, your awareness is through your sixth sense or it is your extrasensory perception that works on your *Nasma* or body made up of lights. When your awareness is in the physical body you call it your conscious existence and when you are in your *Nasma*, you are in your subconscious existence."

"Why is there a difference in the speed of our conscious and subconscious existence?" He asked.

The old wise man smiled and replied, "The difference in speed is firstly because, in the conscious state, man remains confined to the prison of five doors which we refer to as our five senses. Secondly, in the state of waking, you are bound to time and space, and in the dream-state your body is free from spatiotemporal restraints. Thirdly, the conscious state is bound to the laws of the earth and experiences the pull of gravity, and the subconscious state is beyond the fields of gravitational pull. Hence during the state of dreaming, while your physical body lying on the bed, your body of lights was with me, exploring the universal secrets. When you woke up, you shifted your awareness back to your physical body and you found yourself bound within the constraints of this structure of clay." said the wise man tugging at his skin like it was some fabric woven into a garment.

"How are dreams important on the path of self-awareness?" he asked.

The old wise man patted his back and said, "Masters most often meet their students in their dreams and impart knowledge and experiences of self-awareness just like they would through their physical meetings. Spiritual knowledge is not earned through gathering information from books or getting into in-depth discussions on the philosophy of things. It is always transferred as light from the master to the student."

"What is the requirement for this transfer?" He asked with urgency in his voice. He suddenly realised that only the ocean of knowledge within a spiritual mas-

"For verily I say to you, that the promise was made in Ishmael, not in Isaac."

(The Gospel of Barnabas, 43:31)

"But my consolation is in the coming of the messenger, who shall destroy every false opinion of me, and his faith shall spread and shall take hold of the whole world."

(The Gospel of Barnabas, 97:5)

Patience and Consistency:

Prophet Muhammad (PBUH) said, "My *Noor* (a stage of Divine Light) was the very first that was created in the whole universe and God created the whole universe from it."

This means that all the prophets (PBUT) are reflections of Prophet Muhammad's (PBUH) *Noor*. Prophets (PBUT) delivered the glad tidings of Prophet Muhammad (PBUH), and his arrival is also mentioned in the heavenly books.

All Prophets (PBUT) taught us that,

"God is One, He has no partner. He is the Only One worthy of worship, and all gods other than Him are false."

The kind of circumstances Prophets (PBUT) have faced, and the excruciating pain they have suffered while propagating the message of God or the patience that God has blessed them with, is all found in Prophet Muhammad (PBUH).

Episode 2

Do you really want to see God?

A spiritual master was meditating by a river when a young boy interrupted him, "Sir, I have come from a far-off place to attain wisdom under your tutelage. Please accept me as your student."

The master replied, "Why do you want to seek wisdom?"

The boy said, "Because I want to know who created me. I want to see God."

The master asked him to come close. As he drew close, the master grabbed him by the neck, and forcefully submerged his head in the water.

The boy struggled to free himself, but the master did not let him go, and pulled him out after half a minute. The boy coughed, gasped for breath. He looked bewildered as he could not come to terms with what had just happened.

When he eventually calmed down, the master spoke, "Tell me, when you were under water, what did you want most of all?"

"Air!" answered the boy.

The master looked at him earnestly and said, "Alright. Now go home and come back to me when you want God as much as you just wanted air."

❊ ❊ ❊

land, and dwell therein forever. The mouth of the righteous speaketh wisdom, and his tongue talketh of judgment. The law of his God is in his heart; none of his steps shall slide."

(Psalms, 37:29-31)

"O send out thy light and thy truth: let them lead me."

(Psalms, 43:3)

"Thou art fairer than the children of man: grace is poured into thy lips: therefore, God hath blessed thee forever. Gird thy sword upon thy thigh, O most mighty, with thy glory and thy majesty. And in thy majesty ride prosperously because of truth and meekness and righteousness; and thy right hand shall teach thee terrible things. Thine arrows are sharp in the heart of the king's enemies; whereby the people fall under thee." (Psalms, 45:2-5)

"Unto the upright there ariseth light in the darkness: he is gracious, and full of compassion, and righteous. A good man sheweth favour, and lendeth: he will guide his affairs with discretion. Surely he shall not be moved forever." (Psalms, 112:4-6)

Prophecies from Prophet Solomon (PBUH):

"My beloved is white and ruddy, the chiefest among ten thousand." (Song of Solomon, 5:10)

"His mouth is most sweet: yea, he is altogether lovely."

(Song of Solomon, 5:16)

Prophecies of Prophet Isaiah (PBUH):

"And the book is delivered to him that is not learned, saying, read this, I pray thee: and he saith, I am not learned." (Isaiah, 29:12)

Prophecies from Prophet Zechariah (PBUH):

"Behold, thy king cometh unto thee: he is just, and having salvation." (Zechariah, 9: 9)

Prophecies from Prophet Christ (PBUH):

"When the son of man shall come in his glory, and all the holy angels with him, then shall he sit upon the throne of his glory. And before him shall be gathered all nations." (Matthew, 25:31-32)

"I will not say much more to you, for the prince of this world is coming." (John, 14:30)

"For yet a little while, and he that shall come will come, and will not tarry. Now the just shall live by faith." (Hebrews, 10:37-38)

"All prophets except him have come, who is going to come after me as God wills this way that I clear his path."

(Gospel of Barnabas, 35:6)

"Willing to work, He created before all things the soul of His messenger, for whom He determined to create the whole, in order that the creatures should find joy and blessedness in God, whence His messenger should take delight in all His creatures."

(The Gospel of Barnabas, 43:9-11)

his mouth and said: 'I thank thee, O Lord my God, that thou hast deigned to create me; but tell me, I pray thee, what meaneth the message of these words: Muhammad is the messenger of God'.

Then said God: 'Be thou welcome, O my servant Adam, I tell thee that thou art the first man whom I have created. And he whom thou hast seen [mentioned] is thy son, who shall come into the world many years hence, and shall be my messenger, for whom I have created all things; who shall give light to the world when he shall come; whose soul was set in a celestial splendour sixty thousand years before I made anything.'"

(Gospel of Barnabas, 39:14-22)

Prophecies from Prophet Noah (PBUH):

"Listen to this O people! a praiseworthy(Muhammad PBUH) shall be praised."

(Atharava Veda, 20:127:1)

"Dear Narasamsa (Muhammad PBUH), sweet of tongue, the giver of oblations, I Invoke to this our sacrifice". (Rig-Veda 1:13:3)

"Agni (Muhammad PBUH), Manu (Noah PBUH) confirms your appointment as prophet."

(Rig-Veda 1:13:4)

"Oh Agni (Muhammad PBUH)! We consider you religious leader, preacher, teacher of religious knowledge, extremely intelligent like Manu (Noah PBUH)."

(Rig-Veda 1:44:11)

Prophecies from Prophet Moses (PBUH):

"The Lord your God will raise up for you a prophet like me from among you, from your fellow Israelites. You must listen to him." (Deuteronomy,18:15)

"I will raise up for them a prophet like you from among their fellow Israelites, and I will put my words in his mouth. He will tell them everything I command him. I myself will call to account anyone who does not listen to my words that the prophet speaks in my name."

(Deuteronomy, 18:18-19)

"The Lord came from Sinai and dawned over them from Seir; he shone forth from Mount Paran. He came with myriads of holy ones." (Deuteronomy, 33:2)

Prophecies from Prophet David (PBUH):

"Then shall the trees of the wood sing out at the presence of the Lord, because he cometh to judge the earth. O give thanks unto the Lord; for He is good; for His mercy endureth forever. And say ye, save us, O God of our salvation, and gather us together, and deliver us from the heathen, that we may give thanks to thy holy name, and glory in thy praise." (Chronicles, 16:33-35)

"And he shall judge the world in righteousness, he shall minister judgment to the people in uprightness." (Psalms, 9:8)

"The righteous shall inherit the

i

Prophet Muhammad (PBUH)

The kind of circumstances Prophets (PBUT) have faced, and the excruciating pain they have suffered while propagating the message of God or the patience that God has blessed them with, is all found in Prophet Muhammad (PBUH).

Before the prophethood of Prophet Muhammad (PBUH), the whole of Arabia was divided. Impudence was at its peak and the people were proud of their unethical activities. Earning money through women was a favourite pass time. Women and children were denied their share in inheritance. With the help of wicked women, widows were forced to remarry, by placing a *chadar* upon them. Burying girls alive or casting them into wells was considered an honourable act.

Idol worship was common in Arabia and each tribe had their own idol. In the event of animosity between the tribes, they considered their respective idols as enemies too. People cut raw meat off living animals and enjoyed eating it. There were no human rights prevalent. Murder, theft, wrongful confinement, unwarranted influence and undue interference was a common practice.

Before the prophethood of Prophet Muhammad (PBUH), the people of Arabia were known for their arrogance, idleness and laziness. The rate of literacy was so low that one could not ascertain it in percentage. Except for a handful, the rest of the population was gripped in illiteracy.

The Holy Quran and other Heavenly Books brought forth to mankind by the Prophets of God have all given forth the same message, and that is, the Oneness of God. They have all asserted the teachings of other prophets of God and the prophets of every era (except Prophet Muhammad (PBUH)) testified and announced that a saviour would arrive after them.

After the declaration of 124,000 prophets, finally, Prophet Muhammad (PBUH) came into this world and God descended His book over him.

God Himself has confirmed and praised His prophet, and Prophet Muhammad (PBUH) announced, "I say nothing new. I too reiterate the message that my brothers have delivered before me – God is One and Only One. He is the best of the Creators. I confirm that there is no one worthy of worship except for God."

Prophecies from Prophets regarding Prophet Muhammad (PBUH):

"Adam, having sprung up upon his feet, saw in the air a writing that shone like the sun, which said: 'There is only one God, and Muhammad is the messenger of God'. Whereupon Adam opened

V

lent to being nonexistent. The voice of the Creator activated the faculty of hearing in them; the sight witnessed Him, and the creatures negated themselves and affirmed the existence of God.

> "There is none worthy, except God. Muhammad (PBUH) is the Messenger of God."

While there is still knowledge of 'I' within the spiritual seeker, they cannot learn spiritual knowledge. When we read the *Kalima Tayyaba* (the first creed of Islam), we negate the fictitious senses and acknowledge the truth. In the times of Prophet Muhammad (PBUH), people worshipped idols as God. *La Ilaha* explains that the idols are not immortal but God Almighty is. The highest acclaimed friends of God submit that, "We negate the knowing of God in the way that our conscious mind conceives Him, and we know God as how He wants us to know Him. Prophet Muhammad (PBUH) is the messenger of God. We acknowledge God, in the same way that Prophet Muhammad (PBUH) knew and told us about Him."

This concludes that first we negate what we know, and then we affirm what we do not know by attaining knowledge about it. When we negate our own knowledge, we negate ourselves, and when we negate ourselves, then nothing remains but God. God Almighty has ordained to His beloved Prophet Muhammad (PBUH),

> "Say: He is God, the One (*Ahad*). God, the eternally Besought of all (*Samad*). He begetteth not nor was begotten. And there is none comparable unto Him." (Quran, 112:1-4)

May God protect you.

did not exist, one would not be able to see one's self. One believes in one's existence when they see themselves in the mirror.

Two (1+1) is a reflection of one, but we call it two to make both ones (1s) distinct. Nevertheless, one remains one, no matter how many ones (1s) are added. One, two, three, four and five are names given to maintain individuality.

Let us understand it through another example. Every particle with which the mirror is made is also present in every individual; the difference is in the quantities of proportions being less or more. The mirror is different from the one who is standing before it, but it has their proportions within it. Therefore, when any creature stands before the mirror, the mirror accepts their image and reflects it back to them.

• • ——————————— • •

The first step of consciousness is the activation of hearing, which transmits waves to this faculty as sound. These waves travel in circles, are spread across the universe and work as a medium to transfer thoughts as well. Waves convert into sound as per the reception power of one's mind, and when the mind is in sync with the frequency of the sound, then sound becomes observation. It is imperative for the waves to be in circular motion, because, a circle negates dimensions, and gives affirmation to that dimension in which the first and the last, the seen and the unseen are all one. God Almighty has defined the negation of dimensions as *Ahad*.

> "Say: He is God, the One (*Ahad*). God, the eternally Besought of all (*Samad*). He begetteth not nor was begotten. And there is none comparable unto Him." (Quran, 112:1-4)

In the light of these verses, the understanding of negation and affirmation is as follows.

1. *Ahad* defies all dimensions by encapsulating them as one.
2. The attribute of *Samad* refers to the One who is free of wants. Therefore, the second verse reiterates that God is beyond dimensions.
3. Duality (dimension) is important for the existence of creations. Whereas the Creator of the Universe, God Almighty, is free from duality.

• • ——————————— • •

After the inception of the universe, the first awareness that the creatures had was of their unawareness. On the command of "Am I not your Lord?" though they realised their existence, they did not know who they were, and when one is unaware of themselves, their existence is equiva-

do new people entering the room feel it, but only for a bit?

• • ——————— • •

The first step to learning is to unlearn existing knowledge within us. No knowledge can be learnt without this step. Every reality has an existence, irrespective of the fact that we may be aware or unaware of its presence. What may exist for someone, can be non-existent for another. Therefore, everything has an existence irrespective of one's experiences, as the affirmation and negation of something is an acknowledgment of the existence of the entity. When one says, "It does not exist," the word 'it' in this sentence is an affirmation of the existence of the object, and also becomes an admission of one's ignorance about it. When one follows the law of negation and affirmation, the path leading to observation opens up.

Sufis women and men term this awareness of unlearning as *Ilm-e-La* and the awareness of knowledge as *Ilm-e-Illa*. The meaning of *La* is 'No' and *Illa* means 'but exists'. In *Illa*, there is negation of everything, with the affirmation of the reality.

Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya (RA) says,

> "When a spiritual enthusiast desires to be acquainted with their subconsciousness or 'La', they then have to forget all apprehensions, ideologies and thinking patterns of the exterior world. They should reflect within themselves, in the depths of their inner mind. Reflection or *Fikr* is that movement that cannot be bound in forms or dimensions. We call this type of reflection *Fikr-e-La*, that is, for a brief or lengthy moment, we become dominated by that state in which one is unaware of all dimensions. We can achieve this through the practice of *Istarkha**. With the practice of *Istarkha*, every inner sphere of the deeper consciousness empties itself of all thoughts, or we could say that one's consciousness aligns with their subconsciousness when the mind is absorbed in *Fikr-e-La*.''

In spirituality, *Fikr* (contemplation or reflection) means searching. When a contemplative mind is absorbed in reality, they attain *Fikr-e-La*, that is, they attain 'unlearning'.

• • ——————— • •

Until one does not see creatures other than themselves, they are unable to see themselves too. The example for this is a mirror. If the mirror

** Istarkha is a practice of staying focused on one point in the darkness without batting your eyelids.*

Awareness is linked to the senses. In their respective stages, each of the faculties of hearing, sight, perception, feeling and speech are different forms of awareness. In the states of awareness, an individual feels themselves first and then goes on to see themselves separate from others. This can alternately be explained as, when two entities feel the presence of each other, they become one or unify at the stage of feelings; and thereafter, when they perceive themselves to be different from each other, it separates them into two different entities again.

For example, a child is born from a mother but when she places her hand over the hand of her child, she thinks that both of them are separate individuals. This is because, when waves of the child transfer into her field, she surrenders to them, and the presence of child's existence becomes dominant in her. Owing to this feeling, the mother declares, "This is my child." In other words, the mother conveys that both she and the child are separate entities.

1. The mother negated herself, and affirmed the existence of the child.
2. By expressing that it was her child, she affirmed the distance between them.

We see others only when we do not see ourselves; and when we see ourselves, the others, despite being present, become unnoticeable. The law of sight is such that, when we view something, the reflection of the object transfers into us and we become subservient to what we are observing. However, when we blink, distance forms in our awareness, and we declare, "This is a flower, and I am Adam.'' It is important to note that in the realm of awareness, both the flower and Adam are one entity.

Let us consider another example. One is able to describe the taste of water by drinking it, but, water, its taste, and the person drinking it are all one entity in the realm of awareness. This is the reason that they all accept each other and the thirst of an individual is quenched.

Awareness is linked to distance. An entity can only be felt when it is separate from us; if not, the concept of distance will not arise.

Let us consider a man sitting in ambience, fragrant with perfume. When he applied the perfume, he experienced its fragrance. However, the smell becomes unrecognizable after a while. This is because, the fragrance of the perfume infiltrated into him, and aligned with the proportions that were common between them. As a result, he does not feel the fragrance after a while. When someone else enters the room, the waves of fragrance surround them, and absorb themselves into them too and leaves them feeling ecstatic. But, in a short span of time, the new person stops feeling the fragrance too. Has the fragrance exhausted? Why do the people in the room not feel the fragrance anymore, and why

i

Message of the Day

When there was nothing, there was only God. God desired to be recognised and for this, the presence of another entity was essential and hence He created the universe. God then revealed Himself before the creations and reflected His attributes in more than one dimension, naming them as the apparent, inapparent, the seen and the unseen. These four dimensions are prevalent in all creatures and signify a point that there was, is, and will always remain only one entity Who is the First, the Last, the Seen and the Unseen. God says,

> "I was a hidden treasure. I created the creatures with love so I may be recognised." (Hadith-e-Qudsi)

Recognition is based upon two points:

1- Dimensions of an entity should be determined.

2- Someone should be there to recognise the hidden entity.

God commanded, "*Kun* (Be)," and the whole universe manifested with all of its details. His proclamation, "Am I not your Lord?" activated the senses in all creatures. As a result of this, the first thought that surfaced in the minds of the creatures was, "Who am I, and who is it that addressed me?" Curiosity transformed hearing into sight and the sight witnessed the Infinite Being. When the state of awareness deepened, the creatures felt their Creator. This feeling brought awareness in the creatures that the Entity that created them is God Almighty. "I am created by God, and I, the servant of God, am dependent upon Him." As soon as this awareness dawned upon the creatures, they negated the existence of "I am," and became subservient to their Creator.

- Listening to the voice is, *Ilm al-Yaqeen* (Certitude of Knowledge).
- Looking in the direction of the voice is, *Ain al-Yaqeen* (Certitude of Witness).
- To feel the Creator is the negation of oneself, and self-negation is, *Haq al-Yaqeen.* (Certitude of Truth).
- *Qalu Balaa* (Yes, Indeed, You are our Lord) is the affirmation that God Almighty is our Creator.

The awareness of God is attained by following the sub-consciousness and the first step towards it is *Nafi* (self-negation) and *Asbaat* (affirmation of God). *Nafi Asbaat* is the first lesson of the universe.

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Prophet Muhammad (PBUH)	Extracted	167
Circle of Life	Bibi Anuradha (UAE)	163
Can an Arif be Unhappy?	Qurat-ul-Ain	159
A Spectrum of Healing	Azhar Hussain	152
Glory Belongs to God	Roshan Sitara	148
Reality and Materialism	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	145

"Be sure that someday you will praise and thank God for your unanswered prayers that once you had wept for them."

— Hazrat Shams Tabrezi (RA)

Vol 8 Issue 3 | April 2020 | Shabaan — Ramadan 1441AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم وملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

روغن پرسیاؤشاں

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشوونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسوہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

TOYOTA

ALL NEW COROLLA ALTIS Grande 1.8L

TOYOTA EXTENDED warranty
3 YEARS/75,000 KMs*

TOYOTA 3 Year 100,000Km* warranty

TOYOTA HYDERABAD MOTORS

S.I.T.E, Auto Bhan Road, UAN #: (022) 111 555 121